حیاتِ مُشرکہ

یعنی

طوفانِ حیات

مصنّفہ

حضرت مولانا راشد الخیری دہلوی

مصنف صبح زندگی ۔ شام زندگی ۔ گوہر مقصود ۔
سوکن کا جلاپا ۔ منازل السّائرہ بنت الوقت وغیرہ

جسے

ابو رشید عبد المجید خاں سالک
مہتمم مکتبہ ادبیہ لاہور
نے
کوآپریٹو پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

بار دوم دو ہزار قیمت عہ

اعلان عام

چونکہ میں نے اس کتاب کے حقوق طبع و اشاعت
حضرت مولانا راشد الخیری دہلوی مدظلہ سے ہمیشہ کے
لئے حاصل کر رکھے ہیں اس لئے کوئی صاحب اسکو میری اجازت
کے بغیر کلیتہً یا جزءً شایع کر کے قانونی مواخذہ کے مستوجب نہ
بنیں۔ بلکہ جتنی جلدیں کسی صاحب کو مطلوب ہوں مجھ سے
طلب فرمائیں تاجرانہ کمیشن دیا جائیگا۔

لاہور
یکم جون ۱۹۲۳ء

عبدالمجید سالک

۷۸۶

(۱)

استغفراللہ بی شرکہ، نہ تو اصلی نام تھا نہ ہو سکتا تھا نہ خدا کرے کسی مسلمان کا ہو۔ مگر انعام محمد خاں خسر کے خیالات ساس کے توہمات بیوی کی رونداد اور بچی کی افتاد سے اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ ناصرہ خود ہی نہیں اپنے ساتھ ماں اور باپ دونوں کو برباد کر کے چھوڑے گی۔ اکلوتی بچی تھی وہ بھی پھلونٹی کی نہیں پانچ میں ایک ماں باپ ہی پر کیا منحصر ہے۔ محلہ بھر دیوانہ اور کنبہ بھر فریفتہ تھا۔ مگر انعام ان باپوں میں باپ نہ تھا کہ اولاد کی پرورش میں جا و بیجا کا امتیاز بھلائی برائی کا تفرقہ نیکی بدی کا فرق سعادت مندی و بے ادبی کا لحاظ کچھ بھی نہ رہے۔ دیکھنے میں وہ ماں سے زیادہ بچی کا دلدادہ تھا۔ مگر خوب سمجھتا تھا کہ ہاجرہ ناصرہ کے دل میں وہ بیج بو رہی ہے جس کا گمن آس پاس ہی نہیں دور دور پھیلے گا۔ پوت کے پاؤں پالنے میں معلوم ہو جاتے ہیں شبہ یا اندیشہ نہیں یقین اور یقین بھی یقین کامل تھا کہ یہ ضعیف الاعتقادی بربادی کا پیش خیمہ اور یہ رسوم کا انبار مصیبت کا پہاڑ ہے۔ چلتے اور چالے خالی جانیوالے شرک وہم پرستی چھوٹنے والی نہیں حقیقت کا حال تو خدا جانے کہ واقعیت تھی یا تقاضا ضرورت مگر بظاہر تو اسی یقین کا نتیجہ اور احتیاط کا انجام تھا کہ سخت غصہ ہو یا فرط شفقت اس نے بلحت ناصرہ چھوڑ مشرکہنا شروع کر دیا۔ بچا نہیں تایا نہیں جان پہچان نہیں آیا لگا یا نہیں حقیقی باپ اور جائز وارث دو چار دفعہ منہ سے نکالنا تھا کہ چھوٹے اور بڑے سب کے منہ میں یہی پڑ گیا اور ایک پانچ چھ ہی برس کے الٹ پھیر میں اتنا مشہور ہوا کہ کوئی بھولے سے بھی ناصرہ نہ کہتا۔ مکتب میں مدرسہ میں محلہ میں پڑوس میں کنبہ میں خاندان میں الغایوں میں مختار

ناموں میں مہر خطا میں قبالہ میں حتیٰ کہ عقد نامہ میں بھی یہی لکھا گیا۔

ہم کو انعام جیسے سیدھے سادے مسلمان سے بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کیا جو کرسکتا تھا اور کرتا تھا جو ممکن تھا۔ بیٹی کا نام اس نے بدلا۔ گھر کے کام اس نے بدلے۔ موقع دیکھ کر خفا ہوا آنچ پاکر خوشامد کی۔ بھلائی کی باتیں بتائیں برائی کے نقصان جتائے شرک کا انجام رسوم کا نتیجہ اپنی طرف سے سمجھانے میں اور بچانے میں اس نے کسر نہ چھوڑی لیکن ہاجرہ کے رنگ آسانی سے چھٹنے والے نہ تھے رہیں اس کی گھٹی میں شرک اس کی طبیعت میں ان ہی بیبیاں ان ہی میں سہی میکے کی زندگی کا کوئی حصہ یا دو چار سال نہیں سارا کوارپنہ اسی حال میں گزرا۔ سسرال پہنچی تو سرتاپا رسوم کی پوٹ تھی خوش قسمتی سے میدان صاف تھا ساس سسرے تو درکنار کوئی جھوٹوں آکر بھی ٹاکرنے والا نہ تھا۔ سو روپیہ ماہوار کی آمنی اور دو میاں بیوی سر آتے پاؤں جاتے دس بیس برس کا گھر نہیں ساٹھ ستر برس کا بنا بنایا جکڑا بندھا پانچ پشتوں کا گھر برسوں کی جمع پونجی مدتوں کی کھرچن سلیقہ والے مرد چلن والی عورتیں دروازہ پر گھوڑا ڈیوڑھی پر پالکی گھر میں ایک چھوڑ دو دو مائیں رہنے کی عالیشان حویلی کیا محلسرا دو کانیں مکان جائداد اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا کچھ نہیں تو ایک پچیس ہزار کا سرمایہ تو ہوگا جس کی مالک ایک اکیلی ہاجرہ شادی کے بعد تھی۔ شروع شروع میں انعام کو خاک پتہ نہ چل سکا کہ بیوی کے پیٹ میں کیا گن بھرے پڑے ہیں۔ باوجود انگریزی کی معقول تعلیم کے وہ خاصا نمازی تھا۔ بیوی کو دیکھا تو وہ ایسی نمازن کہ فجر اور عشا تو درکنار تہجد اور اشراق تک ناغہ نہ ہو اندھا کیا چاہے دو آنکھیں تعلیم نسواں کے چرچے اور طرز جدید کے ہاتھوں جو تیں مسلمانوں کی پٹیں ہوئی اس کو شش لڑکا نوں پر ہاتھ دھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے شادی ہوئی تو سہم رہا تھا کہ دیکھیے یہ نکاح خانہ آبادی ہے یا گھر کی بربادی۔ اب جو بیوی کے یہ رنگ دیکھے تو خوشی کے مارے اچھل پڑا

(۲)

دو کیوں خاصے ڈھائی پونے تین سال آنکھ بند کر کے گزر گئے۔ اس وقت انعام نمک کے محکمہ میں سو روپیہ کا داروغہ تھا باپ دادا کی آنکھیں میچے ہوئے اور ایسی ماں کی گود میں پلا ہوا جو مرتے مرتے پچیس ہزار کی جائداد چھوڑ گئی اول روز سے یہی وطیرہ اختیار کر لیا ادھر تنخواہ ملی اور ادھر اس نے کوڑی کوڑی اور دام دام بیوی کے نام روانہ کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ پچیس

تیس نہیں ایک دم پر چالیس پچاس صرف ہو جاتے ہوں گے کچھ نہیں تو پچاس روپیہ مہینے الگ کا الگ جمع ہوتا ہوگا۔ اب جو سال بھر کی چھٹی لیکر گھر آیا۔ تو معلوم ہوا کہ بیوی آنکھوں کی اندھی رسموں کی بندی جہالت کی ڈھیری اور فقیروں کی چیری ہے۔ بچے کے ارمان میں انعام اور ہاجرہ برابر کے شریک تھے، تین سال کا زمانہ دونوں ہی نے دن گن گن کر کاٹا، فرق اتنا تھا میاں نے اس تاخیر کو اتفاق پر محمول کیا۔ بیوی نے ادھر ادھر کی کوششیں شروع کر دیں۔ تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے صبح سے شام اسی چکر میں ہوتی، دم کیا ہوا پانی آتا سوت لپٹے ہوئے فلیتے آتے ولادت کی نماز ہوتی بی بی کی نیاز ہوتی، غرض رات دن کا یہی تانتا تھا آنے کو تو اس عرصہ میں انعام پانچ چھ مرتبہ گھر آیا، مگر وہ چار سو ان کو آیا چلا گیا الگ کر پانچ چھ مہینے کبھی نہ ٹھیرا، ہاں شادی کے بعد پندرہ روز رہا تو ادھر تو ہاجرہ نئی نئی دلہن ادھر خود انعام نے زیادہ توجہ نہ کی بات نہ نکلی اب جو یہ سوانگ دیکھتا تو مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔

انعام کے مذہبی عقاید ایک خاص قسم کے تھے وہ اپنی دانست میں پکا مسلمان اور سچا موحد تھا کچھ یہ نہیں کہ انگریزی تعلیم نے اس کو ایسا بنا دیا بلکہ اُس نے آنکھ کھولکر صورت ہی ایسے لوگوں کی دیکھی جو محرم کی نماز اور عرس کی شرکت دونوں کو بدعت سمجھیں، اُس کے حقیقی دادا مولانا عبدالہادی مشہور عالم تھے جن کی جامع مسجد آج نصف صدی کے بعد بھی اُن کا نام روشن کر رہی ہے، دیکھنے میں بالکل سیدھے مگر عقیدے کے ایسے پختہ کہ چار برس کا بچہ بھی تعزیوں میں چلا جائے تو آفت برپا کر دیں، آدھے سے زیادہ شہر اُن کا مرید تھا شہرت سُنکر دور دور سے لوگ زیارت کو آتے ناکام آتے شادکام جاتے۔ مولوی صاحب نہ مشہور ولی اللہ تھے نہ ہی عارف باللہ ہاں اُن کی زندگی تو تنہا اسلام کی صداقت کا اور گھر مخزن خدا کی رحمت کا مرد اور عورت بیوی اور بچے بڈھے اور نیک بچے اور اچھے تکلیف ہو یا آرام دکھ میں ہو یا سکھ میں شکر، ہر حال میں راضی برضا رہنا۔ میں خوش ہوں۔ موت پر یقین خدا پر بھروسہ مذہب کی وقعت اسلام کی محبت [illegible] اور ہر چھوٹے سے ٹپک رہی تھی عقیدہ مندی کی انتہا اور یقین کامل کی حد آخر یہ تھی کہ تکلیف کا علاج بیماری کا حکیم طبیب نہ ڈاکٹر صرف آیت رسالہ جو وا [illegible] اور خیرات جب کوئی خوشی میسر ہوتی تو تمام خاندان اس جوش و خروش سے اپنے [illegible] کا [illegible]

خالق حقیقی کی عظمت کا پتہ دیتا جس وقت نعرہ توحید ہوا میں گونجتا تو سننے والے تھرا اُٹھتے۔ اور رستہ چلتے زار و قطار رونے لگتے۔ عید کی صبح کو جب موذن حاکم اصلی کی جبروت کے ساتھ روز عید کی آمد کا مژدہ مسلمانوں کے کان تک پہنچاتا۔ تو مولوی صاحب بیوی بچوں بیٹے بیٹیوں کو لے کر صحن میں کھڑے ہوتے۔ اور گڑ گڑا گڑ گڑا کر کہتے۔

زمین و آسمان کے سچے مالک جنگل اور بیابان کے حقیقی بادشاہ شش سیاہ و شب سیاہ میں برابر دیکھنے والے آقا تو وہ جس کی قدرت کا راگ فلک نیلو فری سنے تاروں کو گود میں لئے رات بھر گایا تو وہ جس کی عظمت کا نشان بساط زمین کی کائنات نے دن بھر دیا اس نازک وقت میں جبکہ دنیائے حیات میں تیری ارفع و اعلیٰ شان مختلف صورتوں میں ظاہر ہو رہی ہم چند گنہگار لونڈیاں تھوڑے سے ذلیل غلام سب سے پہلے تیرے سلام کو نہیں نہیں مولا تیرے دربار میں تجھے سجدہ کرنے حاضر ہوئے ہیں، یہ سفید داڑھیاں سیاہ چوٹیاں معصوم پیشانیاں تیرے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ مولا ہو تیری بزرگی کا جھنڈا روئے زمین پر اڑ رہا ہے۔ اور واقعات کا اختلاف تیرے غضب و رحم کا ثبوت دے رہا ہے عید کا روز ہے۔ برس کا برس دن رونے والی آنکھوں میں ہنسنے والے دلوں میں تیرا جمال جھلک رہا ہے۔ جامع المتفرقین مدتوں کے بچھڑے جن کی راتیں تڑپ تڑپ کر بیتیں جن کے دن پھڑک پھڑک کر ختم ہوئے۔ آج تو نے ملا دیئے۔ ارحم الراحمین تو نے اپنی قدرت سے اپنی رحمت سے موسیٰ کی طرح اس بچہ کو بھی ماں کے کلیجہ سے چمٹوا دیا۔ جو در در اترے کو تک رہی تھی جھڑے میں جان ڈالنے والے حکیم اس مریض کو صحت دے کر جب طبیب جواب دے چکے تھے بیسیوں دل باغ باغ کر دیئے اس غلام اور فقیر کو جو دو دو دانوں کو محتاج تھا اس رانڈ دکھیاری کو جو حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتی تھی تو نے اے مالک الملک دولت دیکر ثروت دیکر عزت دیکر سلطنت دیکر اپنی خدائی کا سکہ بٹھا دیا یتیموں کے مولیٰ مظلوموں کے مددگار بحر ذخار کی تنہا اور ڈراؤنی رات میں جب لہریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں، اور جہاز بھنور میں پھنسا تھا۔ تارے بدنصیب مسافروں کی حالت زار پر کھل کھلا کھل کھلا کر غائب ہو رہے تھے موت سر پر کھیل رہی تھی۔ کڑک کہتے ہوئے بادل اور چمکتی ہوئی بجلی کلیجے دہلا رہی تھی تو نے اپنی رحمت کاملہ سے [illegible] کا بیڑا پار کیا اور حسرت نصیب مسافروں کو کنارہ پر پہنچا دیا۔

منتقم حقیقی وہ خوشحال بیوی جس کو تو نے ہر قسم کی دولت سے مالا مال کیا جس کو زندگی نعمت اور دنیا جنت تھی جو بیٹے کی شادی پر ہزاروں روپیہ صرف کر رہی تھی اس لئے کہ مظلوم پردیسی اور یتیم کا دل دکھایا تھا۔ ایک طیش میں اپنے عیش سے محروم اور جوان شیر سے ہمیشہ کو بچھڑ گئی۔ او نئے سی نافرمانی پر راجوں کے تاج چھیننے والے حاکم تیرا فیصلہ سچا، ذرہ بھر نخوت پر شاہوں کے تاج لینے والے بادشاہ تیرا انتظام اچھا تیرا دربار عظیم تیری سرکار بڑی رب ذوالمنن ہم چند تن دست بستہ حاضر ہیں ہماری التجاؤں میں تاثیر ہماری دعاؤں میں اثر دے۔

تو نے اپنی رحمت و عنایت سے آج ہم کو اس قابل کیا کہ ہم یوم سعید یعنی عید کی خوشیاں منائیں طبیعتوں میں اطمینان دیا، دل کو ایمان دے کہ تیری اطاعت سے منحرف نہ ہوں اپنے رحم سے اپنے کرم سے ہماری شان بڑھائی ہماری آن بان قائم رکھی حیثیت سے بڑھ کر دولت دی ضرورت سے زیادہ عزت دی معبود حقیقی اپنی محبت دے کہ تیری فرمانبرداری میں سرگرم رہیں رہنے کو مکان دیا تن ڈھانکنے کو لباس دیا دونوں وقت رزق دیا صبح دیا شام دیا الہ العالمین نور اسلام دے کہ دنیا کے ساتھ دین بھی میسر ہو اعضا میں طاقت دی۔ آنکھوں میں بصارت دی۔ شوہر دیا بچے دیئے دنیا کی بہار دی حکیم علی الاطلاق اپنی الفت میں سرشار رکھ کہ آتش دوزخ گلزار ہو جائے شہنشاہ دوجہاں ہمارے جیسی بہت سی مخلوق ہماری طرح کے بہت سے انسان ہم سے بہت بہتر مسلمان اس عید کے مستحق ہیں عزیز الحکیم۔ اتنے بھوکے ہیں یتیم ہیں کریم دعوت ناتواں ہیں مریض ہیں۔ حی القیوم معصوم ہیں مظلوم ہیں رب ارض و سما اپنے فضل و عطا سے صاحب جاہ و حشم اپنے رحم و کرم سے برکت و عزت والے اپنی شفقت و عنایت سے ارحم الراحمین رحیم کریم رحم رحم وحدہٗ لاشریک رحم۔ مولا بے اولادوں کو اولاد نامرادوں کو مراد، مریضوں کو صحت، ناتوانوں کو طاقت بے کار کو کمائی۔ مقروض کو رہائی بیٹیوں کو بر پردیسیوں کو گھر بیکسوں پر رحمت کا مدد یا دیں برکت اچھے بُرے دوست دشمن عزیز غیر الہ العالمین سب کی خیر۔

(۱۴)

نیت کا انسان اپنے خاندان کا بچہ جس کی عمر ان چہچہوں میں گزری جو کچھ بھی

ہو تھوڑا تھا ہم تو اس دعا میں سب سے بڑا راز یہ دیکھتے ہیں کہ از ابتدا تا انتہا اور کسی کا واسطہ
تو درکنار رسالت کے طفیل سے بھی تو احتراز ہے یہی تھا وہ یقین و عقیدہ جس پر مولانا
اور اُن کے خاندان کو ہمیشہ ناز رہا تھا قیود و ملازمت نے انعام کی نماز کو گنڈہ دار ضرور کر دیا
مگر خیالات میں فرق نہ آ سکتا تھا نہ آیا۔ کسی کی محنت برباد نہیں جاتی، اب یہ خدا جانے
کہ میاں کی دعا کا اثر تھا یا بیوی کی کوششوں کا نتیجہ، مراد پوری ہوئی اولاد کا وقت آ پہنچا
آثار حمل کے نمودار ہوتے ہی دونوں وقت مسجدوں میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ ایک مہینہ
اسی طرح جوں توں کٹا دوسرے مہینے کا شروع ہونا تھا کہ نہ گلے میں ہنسلی رہی نہ پاؤں میں
بل سارے بدن پر تعویذوں کی حمائل پڑی تھی جدھر دیکھو نقش اور جس طرف نظر ڈالو
تعویذ اس پر ستم پڑا ہوا کاجل تھا دن میں تین تین مرتبہ لگتا۔ اور چار چار دفعہ تھپتا عورت
کیا پاگل معلوم ہوتی تھی، آنکھوں میں ڈھیروں کاجل ماتھے پر نظر کا ٹیکہ سرخ قمیص سیاہ تعویذ
کروٹ میں خریطے سامنے فلیتے چاروں خانے چت پلنگ پر پڑی ہے۔ روزہ گیا نماز
گئی۔ پڑھنا گیا چلنا گیا آنا جانا ملنا ملانا سب چھوٹا، دوست رہ گئے تو پیر اور عزیز رہ گئے تو فقیر۔
چاہیئے تو یہ تھا اور انعام سے توقع بھی یہی تھی کہ بچہ کی پیدائش کی اس کو جس قدر خوشی تھی۔
تعویذوں کی آرائش قطعاً زائل کر دیتی۔ مگر رونا اسی کا ہے کہ توقع سے زیادہ امید۔ اور
امید سے زیادہ توقع دونوں ناکام رہیں۔ اس پر ان معاملات کا اثر تو ضرور ہوا اگر مرد تھا
روپیہ کا درد ہوتا بیسیوں روپے اور سیروں مٹھائی جو دن رات اٹھتے کھا رہے تھے
اُن پر توجہ کرتا اس سیدھی انگلیوں کبھی نہ نکلتا ٹیڑھی کرتا۔ مگر دس پانچ دفعہ کہہ سن کر جھک
اس کو تو دخل دینا ہی قسم ہو گیا۔ اور چپ جیسے ہوائی طرح نکل گئے۔

ساتویں مہینے کا آغاز ہوتے ہی جس کی تہ میں گود بھرنے کا راز پوشیدہ تھا۔
چاروں طرف سے گود بھرائی کی صدائیں شروع ہوئیں معمولی بات ہوتی تو شاید
اب بھی انعام کے کان تک نہ پہنچتی مگر مہینہ کا آخر تھا تیم حنیفا شاہ صاحب کی قدم
چکی تھی تاریخ کا ٹلنا ممکن نہ تھا سب سے پہلے تو ساس نے کہا۔

میاں! ایسی جلدی کیا تھی کس کام کی انگوٹھی کہ لگے نقد چھین ستوا سے اور
[illegible]

سہاگن کا ستواسا خالی جائے ۔ یہ تو بڑوں کی مقرر کی ہوئی باتیں ہیں کہ بچہ ہرا بھرا آئے۔ بچہ ہنستی کھیلتی اٹھے تمہاری اماں زندہ ہوتیں تو کہتیں۔ ان کی پہلونٹی کی گود تو اس دھوم دھام سے بھری گئی تھی کہ سارے شہر میں نام ہو گیا تھا۔ شرک نہیں بدعت نہیں یہ تو دنیا کا کام اور موت کی جوت ہے۔ دو دن اور رہ گئے پرسوں جمعہ کو ساتواں بھر کر اللہ رکھے آنگنا شروع ہو جائے گا، پورے کا پورا مہینہ خالی نکل گیا۔ کون سی ایسی موئی فقیرنی ہوگی جس کو مہینہ بھر آدھ پاؤ کا ہتہ بھی نہ جڑے، ساتواں اور نواں دو تو مہینے اصل خیر سے نیازوں ہی کے ہیں۔ بڑ بڑیلیوں کی اوت نہ پوتوں کی پیر فقیروں کی ابھی تک ایک کی نہیں ہوئی۔ میری بچی کی جان سے دور تمھی سلطان کیا تم کو یاد نہ ہوگی۔ کیسی مچ مچاتی لاش گئی ہے ۔ اچھی خاصی بھلی چنگی سرخ کپڑے پہنے زیور میں لدی پھول بھرے پورے دن بیٹھی پان چبا رہی تھی۔ ایک گود نہ بھرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ لڑکی ہنستی بولتی چٹ پٹ ہو گئی۔ ایسا کسی نے کلیجہ توڑا کہ ہوں بھی نہ کر سکی۔ میرے منہ میں خاک خدا نخواستہ ایسی ویسی ہو گئی تو تم کو بیویوں کی کیا کمی مگر بچے بیٹی کہاں نصیب میں تو اپنے پاس سے ایک کیا بیس نیازیں دلوا دیتی مگر دل میں وہم آتا ہے۔ سہاگن کی گود میں بھرنے والی کون اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ تنگ ہے تو زیادہ نہ کرو۔ ساتوں ہری ترکاریاں لاؤ۔ تھوڑا سا میوہ لے لو کھانا دو تو وقت بچتا ہی ہے۔ ایک آدمی کا کل آئے گا لیکن بھائی یہ رسم جس طرح ہو آج پوری کر دو۔

اپنی ماں اور بیوی کی ماں میں فرق نہیں ہوتا، اور پھر اس شخص کی نگاہ میں جس کی طبیعت کا جزو اعظم بزرگوں کا ادب ہو، ساس کی گفتگو ختم ہوئی۔ تو میاں کی خاموش آنکھیں بیوی کی طرف اس توقع پر پڑیں۔ کہ شاید بیوی کی زبان سے ایمان کی بات نکلے اور ہاجرہ کے ہاتھ اس زخم پر مرہم رکھیں، لیکن آنسوؤں کی زار قطار لڑیوں نے ایک اور چرکا دیا، خاموش اٹھا گم سم چلا اور چپ چاپ آ کر اپنے کمرہ میں بیٹھ گیا، سوچتا تھا کہ آخر ان بیہودگیوں کا انجام کیا ہوگا، بدنام ہوں گا، ہنسی اڑے گی مضحکہ ہوگا جو دیکھے گا وہ ہنسے گا جو سنے گا وہ ٹھٹھے اڑائے گا، غیر خوش ہوں گے عزیز روئیں گے، بیوی اور بیوی کے ساتھ ساری سسرال نہال ہوگی، کہ خوب داماد ہاتھ لگا مگر اماں جاں کی روح لعنت بھیجے گی کہ اچھا بچہ چھوڑا کیا کروں کیا نہ کروں طبیعت میں اضطراب، دل میں

بے چینی مردوں کا ملال نہ ندوں کا خیال دونو آنکھ کے روبرو، نہ رہا گیا اور بیوی کے آنسو دل نے ماباپ کی لعنت کو دھو دیا، اٹھا چلمن کھولی تو ساس کیا ایسی بھولی تھیں ڈولی منگو کبھی کی چپت ہو چکیں۔ پوچھا کیا اماں جان چلی گئیں، مگر اتنے بڑے گنہگار کو بیوی کی سرکار سے عتاب کا اندیشہ تھا نہ کہ جواب کی توقع ادھر ٹہلا ادھر ٹہلا قریب آ کر پوچھا۔ سر کھجا کر پوچھا آواز دی پاؤں ہلایا جھنجھوڑا اور کہا سو گئیں۔ بیوی کسمسا کر اٹھیں تو سسرال کی ماما نے کہا سو بھی گیا خاک کہیں درد میں نیند تھوڑی آتی ہے صبح سے سمجھا رہی تھی کہ یہ دن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنا دل میلا نہ کرو۔ اتنی دیر چور دھیں جی برا کیا درد اٹھ آیا کچے درد خدا دشمن کو بھی نہ دے بڑی بیوی لے جا کر اب گنڈا اچھا ہے تو ذرا لیٹے ہوئے ہیں نہیں تو گھنٹہ بھر مچھلی کی طرح تڑپی ہیں، میاں تم کیا دیر لگا رہے ہو، زیادہ نہیں کم ہی کر دو پیسہ پیسہ کی ترکاری لے لو بلا سے شگون تو ہو جائے پاس نہیں ہے تو اب چوری تھوڑی کرو گے۔

ماما کی گفتگو نے انعام کے زخم پر اچھی طرح نون مرچ چھڑکا۔ مگر کراہنے کی بھی اجازت نہ تھی دانت چبا رہا تھا کہ بیوی نے کہا اچھی خالہ نصرت تم بھی کیا بے غیرت ہو۔ کیوں کہے جاتی ہو آفت آئے گی تو مجھ پر جان جائے گی تو میری مصیبت بھگتوں گی تو میں تم کو کیا۔

انعام اگر تم اس رسم کا پورا ہونا ضروری سمجھتی ہو تو بسم اللہ کرو سودا بتا دو میں ابھی منگوا دیتا ہوں۔

بیوی بس جانے دو کیا ضرورت ہے روپیہ بچے گا اور کسی کام آ جائے گا۔

انعام روپیہ اگر بچے گا تو تمہارے ہی کام آئے گا، برباد ہوگا تو تمہارا ہوگا۔ جب تم ایک خرچ کو اس قدر ضروری سمجھتی ہو تو میں کیوں روکوں تم بتا دو میں منگوا دوں۔

بیوی سب کیا کام آئے گا کام آئے گا اُس کے جو بیٹھی ہوگی میں کہاں اور تمہاری کمائی کہاں

انعام کمبخت جس قدر عقیدے کا پکا تھا اتنا ہی دل کا بودا، بیوی کی آخری بات سنتے ہی جی بھر آیا اور ایسا معلوم ہوا کہ آج ہی بیوی سے مفارقت ابدی ہو رہی ہے آنکھوں میں آنسو بھر آئے بھرائی ہوئی آواز سے کہا لو چلو جانے دو تم سامان لکھوا دیں

ابھی منگواؤں۔

بمشکل تمام ہزاروں منتوں خوشامدوں سے بیوی رضامند ہوئیں۔ سامان لکھوایا گیا۔ دو جوڑے پیرجی کے ڈیڑھ من کھیر پانچ من ترکاری وغیرہ وغیرہ۔

کیا مزے کی سیرتھی میاں اتنے بڑے سید ہے کہ ہاتھ تو مٹھی بھر بڑاتی تھی۔ گرہ میں نہیں کوڑی کٹے والے ہوت اچکن پہن لکڑی لے آدمی کو آواز دے چلنے لگے۔ اور بیوی اتنی زیادہ ہشیار کہ جا بکھرا اور بوجھکر سمجھ کر اور پہچان کر کہ میاں کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ڈیوڑھی سے باہر نکلکر انعام کو خیال آیا کہ روپے لیلوں الٹے پاؤں الٹا آکر بیوی سے کہا لاؤ روپے دے دو۔ مگر بیوی کے پاس کیا رکھا تھا۔

میاں - لاؤ جلدی دو شام ہو رہی ہے۔

بیوی - میرے پاس روپیہ ہوتا تو تم ہی منگوالے کو رہ گئے تھے جس کی ناک پر بٹھا کر وہی لادیتا۔

میاں - کیا کہہ رہی ہو۔ تنخواہ میں سے جو کچھ صرف ہو کر بچا ہو اس میں سے دیدو۔

بیوی - تنخواہ تھی بھی تو ہزاروں سو روپلی اور کل کا خرچ بچتا کہیں نہیں۔

میاں - تو کیا تمہارے پاس کچھ نہیں بچا سو روپیہ ماہوار خرچ کرتی رہیں۔

بیوی - کہہ تو رہی ہوں ایک پیسہ نہیں اٹھا سب کا سب جوں کا توں امانت رکھا ہے

میاں - لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم - دن ختم ہو گیا۔ اتنا سارا سودا ہے آخر بتاؤ تو بھی ایک دم پر سو روپیہ مہینہ خرچ کرتی تھیں۔

بیوی میں فضول خرچ تھی۔ اب آئندہ میرے پاس نہ بھیجنا۔ پیر بھی اللہ مالک ہے۔

بیوی کا ٹکا سا جواب سن میاں کو سناٹا آگیا۔ کان دبا باہر آبیٹھے۔ مگر یہ خیال دیر تک قائم نہ رہا۔ اور گھبراہٹ کے ڈر سے پھر سمانا شروع کیا۔ اندر جاتا تھا مگر یہ خیال آیا انتظام روپیہ کا کرنا ہے۔ بیوی جی کے پاس جا کر کیا ہوگا گلی میں پہنچکر سوچنے لگے کہ کیا کروں۔ ابا جان کی نصیحت تھی کہ قرض سے موت بہتر ہے۔ اور وصیت تھی کہ بھیک مانگ لینا مگر قرض نہ لینا آج نصیحت اور وصیت دونوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ خالہ فاطمہ کے پاس جاؤں اور تو کوئی نظر نہیں آتا۔ مگر ابا نہ ہریاں سنگھ ابا جان کے زمانہ کا بزاز

ہے ہزاروں کالین دین تھا وہ تین تین ہزار روپیہ لیکر اٹھا ہے سو پچاس کا اعتبار نہ کرے گا۔ کپڑا تو اس سے لے لوں۔ باقی آکر دیکھا جائے گا۔

بات معقول تھی اور خیال اچھا انعام سیدھا مہربان کی دکان پر پہنچا۔ بہت سے گاہک بیٹھے تھے کپڑا نکلوا کر دیکھا اور پرچہ کے موافق چھٹوا لیا۔ دو سیلے لئے حساب کیا تو ایک سو چالیس روپیہ تیرہ آنہ کا تھا۔

انعام۔ لالہ مہربان سنگھ کہاں تشریف لے گئے۔

بزاز۔ اُن کو تو مرے ہوئے بھی سترہ برس ہو گئے۔

انعام۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔

بزاز۔ جی نہیں سیکڑوں صاحب تشریف لاتے ہیں۔ کچھ خیال نہیں۔ آپ کا دولت خانہ یہیں ہے۔

انعام۔ میں مولوی عبدالہادی صاحب کا پوتا ہوں۔ ہزاروں کا لین دین بڑے لالہ سے تھا۔ میں نمک کے محکمہ میں انسپکٹر ہوں۔ تنخواہ دوسری کو آتی ہے۔ کپڑے کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا جا کر لے آؤں روپیہ بھیج دیا جائے گا۔

بزاز۔ صاحب میں نے تو قرض کا کھاتا ہی بند کر دیا ہے۔ بڑے لالہ کا دیوالہ تو اسی میں نکلا کیا بتاؤں مجھے عذر نہ تھا۔ مگر ساجھی موجود نہیں ہے۔

انعام۔ مگر مجھے تو صرف تین چار روز کے واسطے ضرورت ہے۔ دوسری کو روپیہ آجائے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔

بزاز۔ میں عرض کر چکا نہ مجھے معاف فرمائیے۔ پہلے دو دن دیجیے۔ کپڑا جو پھٹ گیا ہے اس کے دام دیدیجئے اور لیجائیے۔

انعام۔ روپیہ تو اس وقت میں کچھ بھی ساتھ نہیں لایا۔ آپ دو روز کا اعتبار کیجیے میں اپنے ہاتھ کی تحریر دیتا ہوں۔

بزاز۔ بندہ نواز ساڑھے نو ہزار کی تحریریں پڑی جھک مار رہی ہیں۔ آپ کے پاس روپیہ نہ تھا تو آپ نے کپڑا کیوں پھٹوا لیا۔

بزاز نے یہ فقرہ ذرا گرم ہو کر کہا۔ تو جتنے گاہک تھے سب اپنا سودا چھوڑ چھاڑ انعام

کو گھورنے لگے دو لمحہ سکوت رہا۔ اس کے بعد بزاز نے کہا یہ کپڑا میرے کام کا نہیں روپیہ رکھ دیجئے ایسے اسامی یاز بہت سے دیکھے ہیں۔

انعام عجیب مصیبت میں تھے کبھی بزاز کی صورت دیکھتے کبھی گاہکوں کی نہ اٹھ سکتے تھے نہ بول سکتے تھے۔ آخر ایک شخص نے کہا جناب آپ دیکھنے میں تو مرد معقول ہیں اور باتیں بھی صاف ہیں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کا دماغ ٹھیک نہیں۔

انعام۔ آپ نے میری کون سی حرکت مجنونانہ دیکھی۔ آپ نہایت بدتہذیب انسان معلوم ہوتے ہیں۔

گاہک۔ غریب پرور دیوانوں کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں۔ کوڑی آپ کے پاس نہیں۔ مانگے تانگے کے کپڑے پہن دکان پر آبیٹھے اور ڈیڑھ سو روپیہ کا کپڑا اتروالیا۔

انعام۔ منہ سنبھالکر بولئے اور اتنا خیال رکھئے کہ آپ کی گفتگو کیسی بھلے مانس کی توہین ہو رہی ہے۔

گاہک۔ بھلمنسات تو آپ کے چہرہ پر لکھی ہوئی ہے۔ اور خود آپ کا چہرہ شرافت کی شہادت دے رہا ہے۔ آپ نواب رحمت علی خاں کے صاحبزادے ہیں۔ دادا صاحب کا نام کیا فرمایا تھا۔ نواب تہمت علی خاں۔ تہمت کے نام پر تو دکاندار اور گاہک سب نے قہقہہ لگایا اور میاں انعام کا تو یہ عالم ہوا کہ زمین گڑ گئے۔ گردن نیچی پسینے پسینے ہوئے بیٹھے ہیں۔

دوسرا گاہک۔ شریف صاحب روپیہ عنایت فرمائیے یا نہیں رکاب میں چلوں محلسرا سے عنایت فرمائیے گا۔

تیسرا۔ جناب آپ کیوں کسی مرد معقول کی توہین کرتے ہیں۔ محلسرا سے ان سے کیا واسطہ۔ کیوں صاحب آپ تو شاید لال قلعہ کے بالاخانہ کی کسی ممٹی کے موکھوں میں قیام پذیر ہیں۔

انعام بدنصیب صورت سیرت وضع قطع لباس گفتگو ہر اعتبار سے معقول انسان معلوم ہوتا تھا۔ بزاز نے کپڑا اپنے آگے رکھا اور کہا جائیے قبلہ تشریف لیجائیے، اٹھا تو ندامت کی یہ کیفیت تھی کہ قدم اٹھاتا کہیں تھا پڑتا کہیں جی میں کہتا تھا کہ زمین شق ہو جائے اور سما جاؤں۔ جھٹ پٹا غنیمت ہو گیا اور جلدی جلدی قدم اٹھا آنکھوں سے اوجھل ہوا تو سوچنے

دگا میں صرف اسی غلطی کا مرتکب ہوں کہ روپیہ پاس نہ تھا اور کپڑا لے لیا لیکن مجھے یقین کامل
تھا کہ ڈیڑھ سو کیا ڈیڑھ ہزار کا کپڑا ہوتا تو اس دکان سے لے جاتا۔ مجھے کیا مہربان یاد نہیں۔
پچیس روپیہ دادا جان سے قرض لیکر دکان شروع کی تھی۔ نیت کا اچھا تھا۔ خدا نے برکت
دی۔ جب تک زندہ رہا ہم سب کے پاؤں دھو دھو کر پیے۔ یہ شام سیٹھ سامنے
کا بچہ ہے میں نے پہچان لیا یہ کیوں نہ پہچانتا مگر نمک حرام ہے خیر مجھے اس سے کیا گلہ
ہو سکتا ہے۔ افسوس مجھے اپنی حالت پر ہے کہ سو روپیہ کا ملازم ہوں بیوی کے سوا کوئی خرچ
نہیں اور آج ایک روپیہ پاس نہ ہو جس عورت نے ڈھائی تین برس میں ایک پیسہ نہ بچایا ہو
آئندہ اس سے کیا فلاح ہو سکتی ہے۔ مگر اب تو وعدہ کر کے آیا ہوں۔ خالی ہاتھ جاؤں گا تو
بالکل ہی بات گئی گذری ہوگی کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں کہ اسے ہی چپکے سے بیچ یہ بھرنا بھر دوں
مگر ہاں گھڑی تو باہر مردانہ میں ہے اس کو علیحدہ کر دوں۔ اگلے ہی برس پونے دو سو کو لی تھی۔
ڈیڑھ سو کو ہنس کھیل کر بک جائے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ ندامت و افسردگی سب رفع
ہو گئی۔ اور رفتار میں بھی کسی قدر تیزی شروع ہوئی۔ گھر پہنچا تو میرا منیں لہک لہک کر زچہ
گیریاں گا رہی تھیں۔ دروازہ کھول خاموشی سے گھڑی نکالی اور باہر آیا۔

رات چاندنی تھی تارے سر پر تھے اور رسموں کے مارے انعام چاروں طرف
اس فکر میں مارے مارے پھر رہے تھے کہ کوئی خریدار ملجائے تو گھڑی اونے پونے
ٹالدوں۔ مگر رات کا وقت گھڑ بیاز دکانیں بند کر چکے کسی کو خبر کیا کہ داروغہ صاحب اس فکر
میں شل رہے ہیں۔ پھرتے پھراتے ایک دکاندار نظر آیا جو اسباب بڑھا رہا تھا تو بساطی
تھے گھنٹے گھڑیاں بھی رکھ چھوڑی تھیں۔ تین چار دفعہ دل کڑا کیا۔ آگے بڑھا پھر ہٹا ہمت نہ پڑی
آخر ایک دفعہ اللہ کہہ کر جا ہی پہنچا۔ اور گھڑی بڑھا کر کہہ بھی دیا ذرا اس کو دیکھیے۔

بساطی۔ کیا صاف ہوگی؟

انعام۔ نہیں صاف کیا ہوگی چل رہی ہے میں اس کو علیحدہ کرنا چاہتا ہوں۔

بساطی۔ آپ کو اس وقت اس کے بیچنے کی ضرورت کیوں ہوئی دن پڑا ہوا تھا یہ رات کا
معاملہ کیا ہے کوتوالی میں لکھوا دیجیے گا۔

انعام۔ وہاں جانے کی تو چنداں ضرورت نہیں میری چیز ہے میں بیچتا ہوں۔ آپ میرا نام

اور پتہ لکھ لیجیے۔ میں نمک میں انسپکٹر ہوں۔

بساطی۔ آپ کتنے ٹکٹ دے سکتے ہیں؟

انعام۔ آپ کی رائے میں اس کی کیا قیمت ہے۔

بساطی۔ بات یہ ہے کہ میں تو پیسہ کا بھی خریدار نہیں ہوں ہاں کوئی لینے والا ہو تو دس روپیہ ٹکٹ دید یجیے۔

انعام۔ لائیے دیا دیجیے مجھے بیچنا منظور نہیں۔

بساطی۔ آپ کی رائے میں کتنے کا مال ہے۔

انعام۔ پونے دو سو کی میری خریداری ہے۔

بساطی۔ آپ بھول گئے ہوں گے پونے دو ہزار سے کم نہ آئی ہوگی لیجیے اور مہربانی فرما کر سیدھے چلے جائیے یہاں ہی پھر رہے ہیں کہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔

اپنے اوپر لعنت بھیجتا اور بیوی پر نفرین کرتا ہوا آگے بڑھا۔ دس بج رہے تھے۔ مجبور گھر کی طرف لوٹا۔ راستہ میں تھا کہ پھر وہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور خیال آیا کہ خدا جانے کتنے مہمان گھر میں بھرے ہوں گے گو بھرائی ہے لگی نہیں میرا سنیں آئی ہیں تو سننے والے پہلے آئے ہوں گے۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں تو آج پوری ناک کٹ جائے گی لاؤ خالہ کے پاس لیٹ رہتا ہوں۔

خالہ فاطمہ کا گھر کچھ نہیں تو ایک ڈیڑھ میل تو ہو گا۔ بیچاری کبھی کی پڑ کر ڈھیر ہو چکی تھیں کہ کنڈی کی آواز کان میں آئی، جاڑوں کا موسم اندر کے دالان میں سب دبکے سکڑے لحافوں میں منہ دبے لیٹے تھے بڑی مشکل سے آواز پہنچی تو گھبرا گئیں مزہ یہ تھا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ آپ تھیں یا ایک کنواری بیٹی اور دو چھوٹے چھوٹے بچے آدھی رات کا وقت عورت ذات بہتیرا دل کڑا کرتی تھیں مگر ہزاروں قسم کے وہم دل میں چلے آ رہے تھے۔ نواسا بیمار تھا تھا موں شام وہاں سے آئی تھیں کچھ دھک سے ہو گیا الٰہی خیر کہہ کر اٹھیں اور درود شریف پڑھتی دروازے تک آئیں پوچھا کون ہے بھائی کہاں سے آئے ہو۔

انعام۔ جناب میں ہوں۔

خالہ۔ میں کون۔

انعام۔ اجی جناب میں حاضر ہوا ہوں۔
خالہ۔ ارے بھائی تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔
انعام۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔
خالہ۔ بھائی کیا نام ہے تمہارا۔
انعام۔ کیا عرض کروں! غلام کو انعام کہتے ہیں۔

خالہ نے کنٹھی ڈالی۔ ڈیڑھ برس کے بعد صورت دیکھی تھی۔ اور نواسے کی بیماری سے پہلے ہی پریشان تھیں۔ حضرت کے آنے سے اور مصیبت میں اضافہ ہوا کہنے لگیں بیٹا خیر صلاح آدھی رات کے وقت کیسے آئے۔

انعام۔ جی ہاں خیر صلاح ملنے کو جی چاہ رہا تھا اس لئے آگیا۔
خالہ۔ بیٹا تمہارا گھر ہے شوق سے آؤ۔ مگر اس وقت کا آنا تو خالی نہیں کوئی بات ہے۔
انعام۔ آپ گھبرائیں نہیں کوئی کھٹکے کی بات نہیں ہے صبح سے آنے کا ارادہ کر رہا تھا مگر سودے سلف میں اٹکا رہا اب ذرا چھٹکارا ہوا تو میں نے کہا پہلے آپ کے پاس ہو آؤں۔
خالہ۔ آؤ میاں شوق سے آؤ ہم تو تمہاری صورت ہی کو ترس گئے اماں کیا مریں تمہاری طرف سے سارا کنبہ ہی مر گیا۔ کہو دلہن بیگم تو اچھی ہیں بنجاری سے سنا تھا اللہ رکھے پاؤں بھاری ہے کب تک ہوگا۔
انعام۔ اسی غرض سے تو اس وقت حاضر ہوا ہوں۔ مجھے تو خبر بھی نہیں کیا کیا ہوتا ہے کل گود بھرائی کی رسم ہے۔ اب آپ ہی بزرگ ہیں اس کام کو چل کر کر دیجیے۔
خالہ۔ بیٹا آنکھوں سے اللہ چاہے صبح ہی آجاؤں گی۔
انعام۔ مجھے ایک اور بات بھی عرض کرنی تھی۔
خالہ۔ ہاں کہو شوق سے۔
انعام۔ مجھے تو اس کی خبر بھی نہیں کہ یہ موقع کل ہی ہے شام کو معلوم ہوا ہے کہ دنوں میں گنجائش نہیں تنخواہ ابھی آئی نہیں کچھ روپیہ کی بھی ضرورت ہے۔
خالہ۔ کیا مضائقہ ہے تمہاری بہن نے روپے رکھے ہیں لیجاؤ رکھے رکھے بیچے تھوڑی

دینگے مگر دور بہت ہیں صبح نکال دونگی۔

انعام تکلیف تو آپ کو ضرور ہو گی۔ لیکن اس وقت دیدیجئے تو اچھا ہو کیونکہ لوگ جمع ہو گئے ہیں اور اس وقت بھی کچھ کام کرنے ہیں۔

خالہ بیچاری اگلے زمانہ کی آدمی کبھی کبھار تو بھانجہ گھر پڑا یا انکار نہ کر سکیں ڈبیا جلا کر کوٹھڑی کھولی اندر گئیں پیٹی اتاری برتن اٹھائے صندوق کھولا صندوقچہ نکالتی تھیں کہ صندوق کا پٹرا دھڑسے آکر سر پر گرا چکرا کر بیٹھ گئیں۔ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا آدھ گھنٹہ میں جا کر ٹھیک ہوئیں تو صندوقچہ نکالا اور پوچھا بیٹا کتنے روپیہ لوگے۔

انعام دوسو روپیہ دیدیجئے۔

ایسے ایسے دوسو روپیہ نہ معلوم انعام کے ہاتھ میں کے سو مرتبہ آئے اور گئے مگر اس وقت دوسو روپیہ نہ معلوم کتنی اشرفیاں تھے خوشی کے مارے اچھل پڑا خالہ غریب منتظر ہی رہیں کہ شاید ایک دفعہ تو جھوٹ موٹ ہی سہی منہ چھوانے کو اور بھی کہے کہ سویرے سے آئیے گا مگر کیسا پلاؤ اور کس کا دکھاوا روپیہ رومال میں باندھ سلام علیک بھی تو نہ کی۔ اور یہ جا وہ جا۔

گھر پہنچا تو بچوں کی چیخم دھاڑ بڑوں کا غل غپاڑہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی اندر گیا تو بیوی گم سم پڑی تھیں۔ روپوں کی پوٹلی ہاتھ میں دی تو ذرا جان میں جان آئی کہسمسائیں اور کہا تم تو جا کر بیٹھ ہی گئے دس بج رہے ہیں۔ پان چھالیہ کا آنگا ناگا تو خدا بیچاری اماں کا بھلا کرے انہوں نے لے لیا دو ڈھولیاں ختم ہو چکیں چاروں طرف سے کھانے دہائی پڑ رہی ہے اب اس وقت میں تو جاتوں بازار کا خمیری روٹی سالن لادو۔

شام کا پھرتا پھراتا جوتیاں چٹخاتا دھکے کھاتا گھر آیا تو کمر بھی سیدھی کرنی نصیب نہ ہوئی اور پھر جاتا پڑا سو سوا سو عورتوں کا کھانا بچے اور مامائیں الگ رہے منہ کا نوالہ نہ تھا ایک تو وہ حکم دینے والی کہ جو سمجھ میں آیا کہہ دیا ایک وہ تعمیل کرنے والے کہ جو بیوی نے کہہ دیا کان دبا چلتے ہوئے۔ بازار پہنچے تو نان بائی دکان بڑھانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہنے لگا مولوی صاحب آدھی رات کا وقت دوسن رہی اگر ٹھکڑا ٹکڑا فی دکان مانگو گے جب بھی نہیں ہو سکتی کھانے والے کھا چکے بیچنے والے بیچ چکے تنور ٹھنڈے ہوئے

پکانے والے سو گئے آپ بھی کمال کیا دن بھر کیا پڑے سو رہے تھے جواب آئے ہو۔
انعام بھائی اس وقت تو جس طرح ہو انتظام کرو نہیں تو سارے مہمان فاقہ سے سوئیں گے سسرال کا معاملہ ہے وہ ناک کٹے گی کہ الہی توبہ!
نان بائی صاحب سسرال کے لوگ ہوں یا میکے کے میرے بس کا تو روگ ہے نہیں۔
انعام خانصاحب اس وقت تو ہماری شرم تمہارے ہاتھ ہے کچھ ہی کرو مگر مہمانوں کے پیٹ میں ٹکڑا ڈال دو۔
نان بائی اجی مولوی صاحب آپ تو خواہ مخواہ مجھ کو ذلیل کر رہے ہیں بھلا اس وقت میں کیا کر سکتا ہوں خیر مگر یہ سوچ لیجئے دگنے دام ہوں گے۔
انعام جو کچھ بھی ہو مگر تم کام شروع کرو۔

دو من روٹی اور اس کے ساتھ کا سالن گڑیوں کا کھیل نہ تھا دو تو دکان ہی پر بج گئے لے کر آیا تو تین بج رہے تھے۔ دن بھر وہ آفت بھگتی رات بھر یہ مصیبت جھیلی مگر اس وقت تو نانبائی کے سوا کسی چیز کا ہوش نہ تھا گھر آیا تو سناٹا کوئی اتنا نہیں کہ ہاتھ تک لگوائے مہمان اور میزبان سب سو رہے تھے بیوی کو جگایا ساس کو ہشیار کیا غرض دسترخوان بچھتے بچھاتے چار بج گئے۔

(۴)

انعام غریب کو روٹی تو کیا خاک نصیب ہوتی یہ بھی غنیمت تھا کہ لیٹ جانے کی مہلت مل گئی سوچا یہ تھا کہ چودہ گھنٹہ کی رات صاف آنکھوں میں نکل گئی۔ ایسا نہ ہو پڑ جاؤں آنکھ لگ جائے گی تو گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کر لوں گا۔ مگر نیند کہاں صبح کا سہم سر پر سوار تھا ایک کندھے پر پہیرجی اور ان کا لباس دوسرے پر بیوی اور ساس اسی ادھیڑ بن میں صبح ہو گئی تو پہلا مرحلہ ناشتہ کا تھا وہ طے کیا کھانے کا انتظام رات ہی کو کر لیا تھا مگر سات بجے تک جوڑے کے دو تقاضے آچکے تھے دکانیں بھی نہ کھلی تھیں کہ جا پہونچا لوٹتا تھا کہ راستے میں چچازاد بہن صادقہ کا گھر پڑا۔ صادقہ کہنے کو بچی دیکھنے میں لڑکی اور ظاہر میں کمسن ناتجربہ کار تھی مگر قدرت کی زبردست طاقت کا جلوہ اس کی ہستی میں جھلک رہا تھا بڑے باپ کی بیٹی تھی اونچے گھر میں بیاہی گئی ماں باپ کی چہیتی تھی ساس سسر دل کی عزیز

ہوئی۔ میکے کی سرتاج تھی۔ سسرال میں راج کیا۔ تین ساڑھے تین سال شاندار زندگی بسر کرنے کے بعد پے در پے کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ وہ بات تو درکنار رفت کر دینے کو تنکا تک نہ رہا۔ انعام کو علم نہ تھا کہ ایک گھر پر حکومت اور خاندان پر سلطنت کرنے والی بیگم آج دو دو دانوں کو محتاج ہے۔ گھر پر جا کر آواز دی تو معلوم ہوا کہ گلی میں رہتی ہے وہاں گیا تو ٹوٹی ہوئی کچی دیواریں اور پرانے کواڑ مصیبت ماری بہن کی غربت کا پتہ دے رہے تھے کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک عورت نے دواڑوں میں آکر جھانکا۔ اور کہا اندر آ جاؤ۔ اندر گیا تو عجیب سماں تھا۔ ماں باپ کی پیاری اور سسرال کی راج دلاری اس ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں زندگی بسر کر رہی تھی، میلے چیکٹ کپڑے جا بجا پیوند ان پر تھے۔ چار طرف سے دوپٹہ کو سمیٹ کر اوڑھا کہ پاجامہ کے پیوند ظاہر نہ ہوں۔ اور سلام کو جھک گئی۔ انعام نے تین برس کے بعد صادقہ کو دیکھا اس کا اگلا دور دورا بعد عروج آنکھوں کے سامنے تھا۔ کل کی بات تھی کہ گوندنی کی طرح زیوروں لدی اعلےٰ اور نفیس لباس پہنے تین تین چار چار مامائیں آگے راج کر رہی تھی۔ آج وہ سماں کوسوں تھا۔ لو داس عیش کی یادگار صرف وہ دیکھنے والے رہ گئے تھے۔ جنہوں نے انقلاب کی اس تصویر کا اقبال اس طرح پامال ہوتے دیکھا۔ دو پوتے دو برس کا ایک بچہ گود میں تھا۔ اور یہ بچی بھی بیان خدا کی شان یا دولاری تھی کہ جس کی پیدائش پر پیسیوں جوڑے غربا کو تقسیم ہوئے۔ اب کڑکڑاتے جاڑوں میں صرف آفتاب اس کے جسم کو سردی سے بچانا چاہتی تھی کہ پان بنا کر بھائی کو دوں مگر خیال آیا کہ خود ہی شام سے خالی زردہ کھا رہی ہوں پٹاری میں پان اللہ کا نام ہے۔ اس وقت صادقہ کی حالت عجیب تھی ندامت سے کہ ارے زمین میں گڑی جاتی تھی۔ آنکھیں نیچی زبان بند ہاتھ پاؤں ساکت بیک۔ بے جان جسم تھا جو سامنے کھڑا تھا۔ دو تین لمحہ یہی حالت طاری رہی، اور پھر انعام نے کہا۔

یہ تمہاری حالت میں کیا انقلاب ہو گیا، سید صاحب کہاں ہیں۔

صادقہ۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ مقروض تھے جو کچھ چھوڑا قرض میں چلا گیا۔

انعام۔ مجھے تو اس کا علم ہی نہیں۔

صادقہ۔ اپنی اپنی پریشانیوں میں سب گرفتار رہتے ہیں کس کے پاس آتا وقت کے

کہ دوسروں کی پریشانیاں معلوم کرے۔ آپ کے ہاں سب خیریت ہے۔

انعام۔ ہاں خدا کا شکر ہے۔ آج تمہاری بھابی جان کی گود بھرائی ہے۔ تمہیں لینے آیا ہوں۔

صادقہ۔ خدا مبارک کرے میں نہایت خوشی سے چلتی۔ لیکن اب میں اس قابل نہیں رہی۔ اتنا لکھ صادقہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر ضبط کیا اور کہنے لگی انشاءاللہ اور کسی موقع پر شرکت کی کوشش کرونگی۔

انعام میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم آج ہی شریک ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے چلی چلو۔ ایسا ہی ہے تو شام کو چلی آنا۔

صادقہ۔ دیر کا خیال نہیں ہے کچھ اور سبب ہیں جنکی وجہ سے میں آج اسوقت مجبور ہوں۔

انعام۔ تم یقین کرو تمہاری شرکت سے مجھے بیحد خوشی ہوگی۔ اور تمہارا انکار مجھے اس مسرت سے محروم کرتا ہے جس کی میں تم سے توقع رکھتا ہوں۔

صادقہ۔ آپ کو معلوم ہے میری صداقت ہمیشہ کنبہ بھر میں مشہور تھی۔ ابا جان کی یہ وصیت آجتک میرے دم کے ساتھ ہے جس شخص نے عمر بھر کی رفاقت کا وعدہ اور ہمیشہ ہمیشہ کی نباہ کا اقرار کیا تھا اس کی مفارقت میری تمام امیدوں کو ختم کر گئی۔ خدا اس کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ میرے دل میں اب کوئی ارمان باقی نہیں۔ ہاں میرے چلنے سے اگر آپ کو خوشی میسر آسکتی ہے تو میں بسر و چشم حاضر ہوں جس طرح بیٹھی ہوں چلونگی مگر انعام بھائی تمہارے سسرال کے لوگ بھرے ہوں گے میرے اس طرح چلنے سے آپ کی بیعزتی ہوگی۔ میرا خیال نہ کیجیے۔ آپ اپنی عزت اور بیعزتی کو سوچ لیجیے۔

انعام زیور اور لباس عورت کی ذات مول اور دولت انسان کے واسطے وجہ عزت نہیں تم تمام خاندان کے واسطے مایۂ ناز ہو کہ باپ دادا کی لاج اور بزرگوں کی آن بان لئے بیٹھی عزت آبرو سے زندگی بسر کر رہی ہو میں ڈولی لاتا ہوں تمہارے چلنے سے ہمارا گھر منور ہو جائیگا۔ اور یہ چھوٹی سی شادی یقیناً تم جیسی خاتون کی شرکت پر فخر کرے گی۔

صادقہ اپنے بوسیدہ مکان سے چلکر بھائی کے ہاں پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ عالیشان

محلسرا بیویوں سے کہا کچھ بھری ہے سونے چاندی کے زیور گوٹے پٹے کے کپڑے چاروں طرف جھلکتا رہے ہیں۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور زرق برق پوشاکوں نے گھر بھر کی رونق دوبالا کر دی صادقہ اس آرائش ظاہری سے قطعاً محروم بھی مگر اس کا دل مسرت حقیقی سے لبریز اور دل عارضی جا و چپیر ہنس رہا تھا۔ بھاوج کی طرف سلام کو چلی۔ مگر کپڑے میلے تھے۔ جواب تو مل گیا لیکن گلے کوئی نہ ملا۔ بچہ کو لئے باہر انگنائی میں ایک پرانے تخت پر بیٹھ گئی۔ کھانے کا وقت آیا تو کیسی خاطر اور کس کی مدارات کسی نے جھوٹوں بھی بات نہ پوچھی۔ بھاوج کی اس غفلت کا احساس فطرت بھی۔ مگر اس کے سوا چارہ کیا تھا کہ جب بچہ بھوک سے بیتاب ہو کر زیادہ پھڑکا تو بہلا کر سلا دیا۔ اور خاموش ہو گئی۔ دن بھر مارا مار پیرجی کا جوڑا تیار رہا۔ شام کو گود بھرائی ہوئی تو بڑی بہن ہاجرہ کی چار سال کی بھانجی کے دونوں دیکھتے ہوئے سونے کے کڑے کسی نے صاف تیر کر دیئے۔ گھر بھر میں ڈھنڈیا مچ گئی۔ کونہ کونہ اور چپہ چپہ دیکھ ڈالا مگر نہیں تو سونے کے کڑے سوئی تھوڑی ہی تھے کہ چھپ جاتے۔ دفعتہً پیرجی کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا تو سب بیویاں جدھر جس کا سینگ اٹھا کونے کھدروں میں جا گھسیں۔ پیرجی آئے تو دسترخوان بچھنے کی تیاریاں ہوئیں لیکن انہوں نے منظور نہ کیا اور کہا۔

میں تو صرف آدھی رات کو ایک مٹھی جوار کی کھاتا ہوں۔ تم لوگوں کا اصرار تھا اس لئے آ گیا۔

ہاجرہ کی ما۔ ہمارا تو منہ نہیں کہ حضور کا شکریہ ادا کریں۔ آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ خدا نے یہ دن دکھایا۔ ہم تو ناامید ہو چکے تھے۔ اب دیا ہے تو عمر کا دیجیئے گا۔ چراغ کا جو حضور نے حکم دیا تھا جلا دیا ہے۔

پیرجی سب دیکھ بیجائیگی۔ تم لوگ پہلے تو احتیاط کرتے نہیں پیچھے ہم کو ستاتے ہو۔ تم کو ہاجرہ کے علاج میں بہت دقت ہوئی۔ بڑی مشکل سے ظالم قبضہ میں آیا ہے۔

ہاجرہ کی ما خدا حضور کی عمر دراز کرے ہماری تو اگر کھال کی جوتیاں بنیں حضور پہنیں تو عذر نہیں یہ کپڑے حضور کے لائق تو نہیں ہیں مگر ہمارا دل بڑھ جائیگا۔

پیرجی اچھا اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو خیر کسی نہ کسی کے کام آ ہی جائیں گے۔

ہاجرہ کی ما حضور آج ایک اور واردات ہو گئی۔ ابھی ابھی حضور کے آنے سے ذرا پہلے

کسی کمبخت نے بچی کے کڑے اتار لیئے۔ کسی نے کیا ہم کو خود اچھی طرح معلوم ہے اب
حضور وہ نکلوا دیں۔

پیرجی۔ کچھ تامل کے بعد ابھی تو کڑے اس کے پاس موجود ہیں۔ اس سے کہدو کہ اگر
ہنسی خوشی نہ دیگی تو میں کردونگا۔ کیوں لا تم اپنے چوروں کو گھر میں گھسنے دیتے ہو۔

ماجرہ بی۔ حضور یہ چچا کی بیٹی ہے اس لئے بلا لیا تھا۔ صادقہ ارے صادقہ بیان تو
آ حضور فرما رہے ہیں کہ اگر سیدھی طرح کڑے نہ دیئے تو غارت کردوں گا۔

پیرجی۔ ایک کوری بدھنی پانی بھر کر لاؤ کاغذ قلم دوات دو اور سب مہمانوں کے
نام لکھوا دو میں ابھی چور کا نام نکال دیتا ہوں۔

پانی بھری ہوئی بدھنی ایک طرف سے پیرجی نے دوسری طرف سے انعام نے
انگلی پر رکھی۔ اور پیرجی کچھ پڑھتے گئے۔ ٹونٹی میں ایک ایک کرکے ناموں کے پرزے
ڈالتے جاتے تھے۔ پھر ایک نام پر بدھنی نے گردش کی۔ پرزہ نکال کر دیکھا تو صادقہ کا نام تھا۔
پیرجی کی فال اور کچھ چوری چھپے نہیں سب کے روبرو اور ہر ایک کے سامنے اب صادقہ کو چور
سمجھنے میں کیا کسر رہ گئی تھی یقین کامل ہو گیا۔ اپنے اپنے طور پر سمجھا کر بجھا کر ڈانٹ کر ڈپٹ کر
غصہ سے پیار سے جس سے جس طرح ہوسکا۔ کڑوں کے نکلوانے کی کوشش کی جب
کامیابی نہ ہوئی۔ تو خود انعام نے کہا۔

صادقہ۔ دو چار روپیہ کا مال ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ چار ساڑھے چار سو کے کڑے
ہضم کر لینے آسان بات نہیں ہے۔ میں خدا سے ڈر کر اور تم پر رحم کھا کر لایا تھا یہ خبر نہ تھی کہ تم اللہ
کی عنایت سے سب گنوں پوری ہو اور ایسا کلیجے میں ہاتھ ڈالو گی۔ کہ سب تڑپتے ہی رہ جائینگے
اتنا کچھ کہا جا رہا ہے اور تم پر خاک اثر نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ کچی نہیں دہاڑی چور ہو
پہلا موقعہ نہیں کہ شرما جاؤ۔ میں آج تو کڑے گیا ورکھو میں بھی داروغہ ہوں دم بھر میں اگلوا لوں گا
ابھی نرمی سے کہہ رہا ہوں۔ پیچھے تم پچتاؤ گی ہو میرا غصہ کیسا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا کسی بہانے
سے ادھر ادھر ڈال دو۔ آئندہ تم کو اختیار ہے۔

صادقہ کو اس وقت دین و دنیا کسی چیز کا ہوش نہ تھا اس کی آنکھیں نیچی تھیں جن سے
ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی گود میں بچہ تھا جو بےخبر پڑا سوتا تھا وہ ساکت تھی خاموش تھی

اور بس نہیں چلتا تھا کہ زمین میں گڑ جائے۔ سیکڑوں بیویوں کی نگاہیں اس کے چہرہ پر تھیں۔ اس کی حالت ظاہری اس کے میلے کچیلے کپڑے اس کا افلاس و مصیبت چوری کا پورا یقین دلا رہے تھے۔ اس کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور وہ سوچتی تھی اب اس سے زیادہ نازک وقت اور مصیبت کا دن کیا ہوگا۔ شوہر گیا۔ دولت گئی چھن گیا۔ آرام گیا پہننے کو چیتھڑا نہ رہا۔ رہنے کو ٹھکانا نہ رہا۔ ماں باپ ساس سسرے سب رخصت ہوئے۔ ایک تھوڑی سی آبرو باقی تھی آج وہ بھی چلی۔ جو لوگ عیش کرتے دیکھتے تھے جن آنکھوں نے گھر والی اور با اختیار دیکھا تھا اب ان کے سامنے چور بنی کھڑی ہوں۔ اللہ اللہ کیسا درد انگیز سماں ہے۔ دفعتہً اس نے آنکھ اوپر اٹھائی انعام کی طرف دیکھا اور کہا۔

کچھ شک نہیں خدا نے آپ سب کو جو عزت دی ہے میں اس وقت اس سے محروم ہوں میری بابت جو کچھ کہا جائے ٹھیک ہے مفلس ہوں مجھ پر الزام لگ سکتا ہے بے وارثی ہوں جس کا جو جی چاہے کہہ لے۔ آپ کے گھر پر ہوں جو کچھ سنوں درست۔ آپ کے قبضہ میں ہوں جو کہا جائے ٹھیک مگر وہ بانصیب جس نے خدا کے کیا کسی بندے سے بھی کبھی جھوٹ نہ بولا تم کو یقین دلاتی ہے کہ چھپر کی بیو کی صرف اس کو نہ میں بیٹھی رہی میں نے تمہاری خوشیاں تمہاری رسمیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں۔ تم نے مجھ کو گھر پر بلا کر میری آبرو لی میں بیگناہ ہوں گو اس قابل نہیں ہوں کہ تمہارے برابر بیٹھ سکوں مگر چور نہیں ہوں میں نے تمام عمر کبھی قسم نہیں کھائی۔ لیکن اس وقت کہتی ہوں کہ میری بے گناہی کا شاہد صرف وہ ہے جس کی نگاہ میں میرا افلاس اور تمہارا تمول دونوں برابر ہیں۔ سب کچھ کھو چکی میرے سر سے وارث اٹھ گیا۔ میری جائداد برباد ہوئی۔ میری کمائی لٹ گئی لیکن عمر بھر کی پونجی زندگی کا سرمایہ دنیا کی کل کائنات صرف یہ ایک معصوم لال میری گود میں ہے۔ تم صاحب اولاد ہو، میری ممتا کی قدر کرو۔ میں اس بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں میں نے تمہارے کپڑے نہیں لئے میں جب سے آئی ہوں تمہارے گھر سے باہر نہیں نکلی۔ میں تنہا ہوں میرا بچہ بغیر میری مدد کے چل بھی نہیں سکتا۔ تم میری تلاشی لے لو۔ اور اس جرم کی سزا دے کر کہ جب میں اس لائق نہ رہی تھی تو کیوں تم لوگوں کی خوشی میں شریک ہونے کی خواہشمند ہوئی مجھکو گھر سے نکال دو۔ میرے پاس کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ تھوڑی سی عزت باقی رہ گئی تھی

وہ یوں ختم ہوگئی۔ باپ دادا کی وقعت بزرگوں کی آن شوہر کی لاج سسرال کی عزت اس وقت مجھ بد نصیب نے گنوادی۔ میری مصیبت ہمدردی کی محتاج ہے۔ اپنے بچوں کا صدقہ مجھ کو اب زیادہ رسوا نہ کرو۔ اگر تمہارا ظلم صرف میری ذات تک رہتا تو شکایت نہ تھی۔ تم نے اس بے زبان پر اس ننھی سی جان پر، اس معصوم بچہ پر ستم توڑا اگر یہ زندہ رہا تو اس کی عمر برباد ہوئی۔ عزیز اس سے نفرت کریں گے۔ دوست اس پر لعنت بھیجیں گے۔ اور ماں کی چوری اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہوگی۔ تم بااختیار ہو قدرت رکھتے ہو عزت رکھتے ہو۔ خدا نے تم کو دولت دی حکومت دی۔ اطمینان دیا راحت دی جس نے تم کو یہ خوشی کا دن دکھایا۔ اسی کا واسطہ دیتی ہوں میرے در پئے نہ ہو میں دنیا کی بدترین مخلوق اور انقلاب کی بہترین تصویر ہوں، میرا دل زخمی ہے میرے زخم ہرے ہیں میرا کلیجہ چھلنی ہے۔ میرے داغ تازے ہیں۔ میں بے بس ہوں بیکس ہوں دکھیاری مصیبت ماری۔ میری حالت قابل رحم ہے مجھ پر رحم کرو۔ مالک ہو، اختیار ہو، کہہ سکتے ہو کر سکتے ہو مسلمانوں ایمان رکھتے ہو۔ ایمان کی بولو۔ ایک تو میری بھی حمایت لو، میں تم سب کی عنایت و کرم کی محتاج ہوں آج تم میری اعانت کرو کل ایک زبردست طاقت والا حاکم میدان حشر میں جہاں تم محتاج ہوگے۔ تم کو مدد دے گا۔ میں بے قصور ہوں، میں نے تمہارے کوے نہیں دیکھے انعام بھائی میرے وارث شرعی ہو۔ خدارا مجھ کو بچاؤ، اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ میری مشکل آسان کرو۔ اللہ تم پر رحم کرے گا۔ میں عہد کرتی ہوں کہ آج کے بعد کہیں آنے جانے کا نام نہ لوں گی، مجھ کو ڈولی لا دو میں چلی جاؤں۔

میرجی۔ کیا چاتر عورت ہے قینچی کی طرح زبان چل رہی ہے۔ خدا کا کلام جھوٹا ہم جھوٹے کمبخت چور مکار،

جس جس کے منہ میں جو جو کچھ آیا کہنے میں اور سنانے میں کمی نہ کی، بدنصیب حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتی تھی، کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایمان کی بھی بولے مگر چاروں طرف سے لعنت اور پھٹکار پڑ رہی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب نذرانہ ہو چکی تو میرجی اپنا جوڑا نقد روپے اور کھانا لیکر چلتے ہوئے۔ مگر چلتے چلتے اتنا اور کہہ گئے، خدا کی شان ہے دلیوں کے ہاں جھوٹ مولویوں کے ہاں ایسی سپوت لڑکی پیدا ہو جو اچھے اچھے دماڑیوں کے

کان کترتے صبح تک راہ دیکھ لو دیے تو خیر نہیں تو تھانہ دار کے سپرد کر دینا۔

تھانہ دار کا نام سنتے ہی صادقہ تھرا اٹھی۔ جانتی تھی کہ پیرجی کا حکم ٹل نہیں سکتا، صبح ہوتے ہی تھانہ آجائے گا، اس بکرے کی طرح جو قصائی کی آبدار چھری سے ڈر کر چاروں طرف چھپنے کی کوشش کرے۔ تھر تھر کانپ رہی تھی، ہر طرف نگاہ دوڑاتی تھی۔ مگر کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا کہ اس آڑے وقت میں کام آجائے، پیٹ میں ہول اٹھ رہے تھے، اٹھتی تھی ٹہلتی تھی سوچتی تھی بیٹھتی تھی خیال آیا کہ مجھ سے زیادہ بدنصیب مجھ سے بڑھکر بے عزت کون ہوگا دنیا کو موت آرہی ہے، کیسے کیسے پیارے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گئے، اور میں کمبخت اس دن کو زندہ رہ گئی، کہ باپ دادا کی ناک کاٹ دوں۔ تیری شان تجھی کو سزاوار ہے۔ جس کی پالکی پر دوہرے پردے پڑیں، دیکھئے اسے تھانہ دار کے سامنے برقع بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان کے موتی جگمگا رہے تھے، سجدہ میں گری اور گڑگڑا کر کہا آقا بدنصیب لونڈی تیری حضور میں حاضر ہے، رات آدھی سے زیادہ گذر چکی۔ دنیا بیخبر ہے مگر تو باخبر سب سوتے ہیں اور تو جاگتا صبح قریب ہے، صبح قریب ہے اور آرہا ہے؟ وقت جب ایک غیر مرد کا آمنا سامنا اور نامحرم نگاہیں میرے چہرے پر ہونگی جس کا پتہ بھی محلہ والوں نے نہ دیکھا جس کی پرچھائیں تک نوکروں کو کبھی نصیب نہ ہوئی آج دنیا اس کیساتھ یہ سلوک کرتی ہے۔ اس وقت ظالموں سے بچانے والا کوئی نہیں مولا تیرے سامنے آئی ہوں میری فریاد سن، دلوں کے حال دیکھنے والے آنے والا وقت مجھکو نہ دکھا بچا بچا مولا بچا۔

ماباپوں کی بیٹیاں اور عفت و عصمت کی وہ دیویاں جن کے دامنوں پر فرشتے نماز پڑھیں، زندگی کی کسوٹی پر سونے کی طرح چمکیں اور کندن کی طرح دمکیں۔ صادقہ بیٹا ہر بے وارثی محتاج فقیر سب ہی کچھ تھی، مگر اس کے میلے کپڑوں پر صالحہ دار پوشاکیں قربان اس کے افلاس پر تمول نثار اور اس کے ننگے بدن پر جڑاؤ جیالے بالے فدا تھے، اس کی التجا دکھتے ہوئے دل سے نکلی اور عرش بریں پر پہنچ گئی ہیں تو زخمی دل کی صدا خالی نہیں جاتی یہ تھا یا جو کچھ تھا بھائی کی جانب سے ناامید ہو کر جب حقیقی وارث سے التجا کی تو اس کی دعا قبول ہوئی، سحر میں تھی کہ جی متلا یا قے ہوئی دست آیا اور ایک تین ہی گھنٹہ میں پورے بارہ پہر کی بھوکی مہمان کی حالت بھائی کے در پر خراب ہونی شروع ہو گئی

تین بجے کے قریب جب طبیعت زیادہ بگڑی اور ہلنے کی طاقت نہ رہی تو بچہ کی مفارقت کا خیال آیا، دل نے بیساختہ صدا دی کہ کلیجہ کا ٹکڑا ماں کے پہلو سے ہمیشہ کو چھوٹتا ہے، پرورش تو درکنار کوئی اتنا بھی نہیں کہ سر پر ہاتھ پھیر دے گا، کچھ عمر بھی تو نہیں نگوڑا انیسویں ہی سال میں ہے۔ بات بھی تو کرنی نہیں آتی۔ آج اس کی ضدیں اور ہٹیں سب ختم ہوتی ہیں، ابھی میرے ہوش وحواس درست ہیں۔ ایک دفعہ کلیجہ سے لگا لوں آ میری جان آ پیار کی نگاہیں اور محبت بھری نظریں آج ہمیشہ کو بند ہوتی ہیں، چھاتی سے لگانیوالی ما اور اس چاند سے مکھڑے پر قربان ہونیوالی خدمت گزار رخصت ہوتی ہے، لپٹ لوں لپٹا لوں، کوئی اتنا نہیں جس کے ہاتھ میں ہاتھ دوں، خیر سب سے بہتر وارث خدا ہے، پیاس کی شدت زیادہ ہوئی، اٹھنے کا ارادہ کیا، جوں توں اٹھی بھی مگر دو ہی قدم چلی تھی کہ چکرایا اور دھڑ سے گری،

بیس بائیس برس کے زمانہ قیام کا نتیجہ صرف ایک بچہ تھا جو اس وقت ما کے پاس تھا، اسی کا سہارا لیکر اٹھی اور پھر لیٹی، اس کے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے لگائے پیار کیا، گلے میں ہاتھ ڈالکر زور سے بھینچا، کہنے لگی الٰہی زندہ رکھنا ہے تو عزت سے ورنہ بےعزتی کی زندگی سے موت بہتر،

موذن اذان دے رہا تھا کہ دروازہ پر چند آدمیوں کی آواز آئی اور ایک شخص نے باواز بلند کہا مولانا باہر آئیے، تھانہ دار صاحب آئے ہیں، آپ کی ما کڑے بیچتے ہوئے پکڑی گئی ہے، تھانہ دار کا نام سنتے ہی صادقہ کی حالت اور بھی ردی ہو گئی، بھائی کو پاس بلا کر ہاتھ جوڑے اور کہا،

"خدا کا واسطہ مجھ پر رحم کرو۔ میں نے تمہارے کڑے نہیں لیے"

(۵)

ٹال کے روپوں کا وعدہ تنخواہ کا تھا، تنخواہیں ایک چھوڑ دو بلکہ تین آئیں مگر قرضہ نہ اترا اور اترتا کہاں سے جتنا آتا اس سے زیادہ اٹھتا۔ دس دس دن چولہے بلوں بلوں مچ جاتی پیر جی کی لونگی ہی رہتی تھی، اس کے علاوہ ستو اٹ ہوا ٹھیرا، اپنا ہو تو اف ہو اگوندا، بنا، ستورا اپنا بچھیری ای گھر گھر چولہے مشیا لے، خدا بیچاری کون سی لکھ پتی تھیں کہ اتنی بڑی رقم کو صبر کر کے بیٹھ جاتیں، دو مہینے تو چپ رہیں کہ شاید اب بھی آ جائے اب بھی آ جائے

مگر آئے کہاں سے اور جائے کیوں کر مجبور غریب نے تقاضا کیا۔ انعام ادائگی قرض سے
مجبور ضرور تھا۔ مگر غافل نہ تھا۔ دو ایک وعدہ کئے مگر ایک بھی پورا نہ ہوا۔ اب تو خالہ
کے بھی کان کھڑے ہوئے عورت ذات تھوڑا دل پوری رستم ڈانک بٹھا دی، صبح
شام دن دوپہر ہر وقت ما تقاضے کو کھڑی ہے۔ انعام کی زندگی کا یہ دور بھی عجیب بہار
کا زمانہ تھا، قرضہ کا انبار اس کے سر پر، زچہ خانہ کا بار اس کے سر پر، عقیقہ کا پہاڑ اس کے
سر پر ایک دم پر اتنے غم سوار تھے کہ سر کھجانے کی فرصت نہ تھی مگر ان آلام و افکار پر بھی انتظام
کی کوئی توقع بھی نہ انس۔ اور کی کوئی امید، چاہئے کہ اب ناجرہ کی آنکھیں کھل جائیں۔ لاحول ولا قوۃ
وہ تو ایسے گھڑی نہ گئی تھی تفکرات کا ہجوم یہ کچھ تھا مگر پاؤں پھیرے کی رسم پھر دھوم سے
ادا ہوئی چھٹی گو بیں بڑی تو بلا سے مگر بچیں اڑ گئیں،

عید سے خالی خالی سے بقر عید، دو تین مہینے تو وعدے وعیدیں ٹل گئے، مگر اس کے
بعد خالہ نے تقاضا شدید کیا تو انعام عجیب مصیبت میں تھا، زچہ خانہ کے اخراجات پر نظر
ڈالتا تھا تو ڈھائی سو سے کم نہ تھے، عقیقہ پر غور کرتا تھا تو چار سو سے کم اس کی بھینٹ
نہ تھی، خالہ کے تقاضوں نے الگ ناک میں دم کر رکھا تھا عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ کچھ
کرتے بنتی تھی نہ دھرتے بھوک تھی نہ پیاس رات دن اسی فکر میں غرقاب تھا۔ خالہ کا
تو خیر قرضہ تھا ہی مگر زچہ خانہ اور عقیقہ قرضے سے بڑھ کر تھے خرابی یہ تھی کہ بیوی کی طرف سے
اتنا مایوس ہو چکا تھا کہ نشیب و فراز تو رہے الگ صلاح و مشورے کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی۔ فکر میں
تو وہ بہت روز سے تھا لیکن ایک روز اتفاق سے خود ناجرہ ہی کی طرف سے پہل
ہوگئی اور وہ بھی اس طرح کہ خالہ نے کہلا بھیجا۔ میں تو خیر رو پیٹ کر صبر کر ہی لوں گی، مگر
راشدہ کی آہ خالی نہ جائے گی۔ انعام گھر میں نہیں تھا، ناجرہ اول تو یونہی مزاج آگ تھی،
اس پر پورے دن سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئی بلا کو تو کوس پیٹ نکال دیا۔ مگر خالہ کا
پیغام خوب تڑپ تڑپ لگا کر میاں تک پہنچایا، تو وہ خود ہی موقع کا منتظر تھا کہنے لگا جو کہو
وہ کروں۔

بیوی کرنا تو کچھ پڑے ہی گا مگر تم تو جو کچھ کرو گے عین وقت پر روپیہ کے دو روپیہ
اٹھیں [illegible] طرف بھیک مانگو، ایسے ایسے کمبخت عزیز رہ گئے ہیں کہ دو سو روپیوں کے

واسطے بھر منہ کوس لیا مگر کسی کا کیا قصور غلطی اپنی ہی ہے۔ تقاضوں پر تقاضے سن رہے ہو اور کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو، وقت پر ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلاتے پڑنا میں جی چپکی بیٹھی بچھ رہی ہوں کہ آخر کیا ہوگا۔ میرے خرچ کا تو خیر کچھ نہیں گھی نہ ملے گا اُبالی سالن نہ ہوگا روکھی گوشت نہ ہوگا دال اچھی جیسی روکھی سوکھی نشتم پشتم گذر ہی جائے گی، مگر دنیا میں رہنا ہے جیتے جی تو ناک نہیں کاٹی جاتی، کہ عمر سب کے حصے کھائے اور اپنے ہاں وقت ہوا تو پاؤ بھر حصہ بھی نہ چڑا، پرسوں اماں نے حساب کیا تھا دو اوپر ڈھائی سو حصے ہے ڈیڑھ روپیہ کے تو فقط پان بتاشے ہی آئیں گے، میں نے تو کہا تھا بی الگ کرو، لیکن انہوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اور کہہ کر چپ ہو گئی، انہوں نے جو کچھ کہا سچ کہا پان بتاشے تو بیچاری نصیباں گھسیاری نے بھی بانٹ دیئے تھے اور خیر اگر بعزت شکر وہی شکل اصل کر دیں کہ لینے کی مچھلی دینے کے کانٹے عقیقہ تو اللہ کا حکم ہے وہ تو ٹل ہی نہیں سکتا۔ اور یہ سب تو قرض حسنہ ہے، آخر ہم نے بھی تو سب کے حصے کھائے ہیں کوئی مفت یا اللہ کے نام تھوڑی کھلائیں گے یوں تو موت کی جوت ہے مگر ہزار روپیہ سے کم عقیقہ میں نہ اٹھے گا دو وقت کا کھانا غریب غربے بھی کر دیتے ہیں وہی ہم کر دیں گے یہ روپیہ آخر کہاں سے آئیگا اللہ چھپر پھاڑ کر تو دینے سے رہا روپیہ تو انتظام ہی سے ہوگا ہوجاتا تو لگے ہاتھ ان کے بھی ادا ہو جاتے

میاں۔ ہزار وہ دو سو یہ دو تین سو اور رکھ لو پندرہ سو روپیہ کا انتظام میں کیا خاک کر سکتا ہوں مجھے تو اب کوئی شاید پندرہ روپیہ بھی قرض نہ دے۔ زیور بیچو مکان گروی رکھو یہی دو صورتیں ہیں اور کوئی سمجھ میں نہیں آتی۔

بیوی۔ زیور ہی کون سا دس پانچ ہزار روپیہ کا ہے کہ بیچ ڈالوں یہی پانچ سات چیزیں ہیں جو ہر وقت تم کو کھٹکتی رہتی ہیں، لے جاؤ آگ لگا دو ننگے کان سونٹا سے ہاتھ بہا ڈگلا بیٹھ جاؤں گی۔

میاں۔ یہ کیا غضب ہے کہ تم بات کو سمجھتی ہو نہیں اور لڑنے بیٹھ جاتی ہو اگر زیور علیحدہ نہیں ہو سکتا تو پھر مکان بیچ ڈالو،

بیوی۔ کیوں مجھے کیوں لگا گروی رکھ دو تم آداللال سے کہہ دو شام تک جھولی میں روپیہ ڈلوا دے گا روپیہ سیکڑہ پیچھے ملا دیں پندرہ روپیہ ہوں گے جہاں اور سیکڑوں

اٹھتے ہیں یہ پنا رہ بھی نکلتے رہیں گے،

رہن مکان کی تجویز انعام کے دل میں ایسا پھوڑا تھا جس میں اصرار رہن کی گفتگو ٹیسیں اور چمکیں بنکر چمکی، رسم عقیقہ کا تخمینہ اس زخم پر نمک تھا پسینہ آگیا ہوائیاں اڑنے لگیں، رنگ فق آپ ڈنگ چپکے اٹھ باہر آگیا جس پہلو پر نظر ڈالتا تھا پریشانی اور جس رخ پر غور کرتا تھا حیرانی، اچھی طرح جانتا تھا کہ مکان رہن ہوا تو پھر چھوٹنے والا نہیں دو سو روپیہ کا قرضہ تو چار مہینہ میں ادا ہی نہ ہو سکا۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ کیا نکلے گا، کوئی ذریعہ نہیں امید نہیں تین پشت کا مکان یوں علیحدہ کرنا آسان نہیں بڑے دادا جان نے کیسی کیسی مصیبت اٹھا کر یہ کھنڈر لا بچایا تھا چاہیے تھا اور ضرورت تھی اور ضرورت کیا دنیا کا دستور یہی ہے دادا جان اللہ بخشے ہمیشہ کہتے تھیں لونڈی بن کمائے اور بیوی بن کمائے، کہ سب ترقی کر رہے ہیں ابا جان نے چار پانچ ہزار لگا کر مکان کہیں سے کہیں پہنچا دیا کوٹھے کا کمرہ بیٹھک کی صحنچی دو تو ادھورے پڑے ہیں ان کا بننا تو درکنار مکان ہی ہاتھ سے چلا، لنگڑا نہیں لولا نہیں اندھا نہیں اپاہج نہیں، نوکر ہوں چاکر ہوں کماتا ہوں کماتا ہوں۔ سو روپیہ کی ملازمت آج اچھے اچھوں کو نصیب نہیں۔ میں تو ایسے ایسے دو مکان اور بناتا نہ کہ اگلا سارا روپ بھی کھو دیا۔ رہن کی خبر کلیا کا گڑ نہیں کہ چپکے سے پھوڑ لوں، سارے شہر میں پھیلے گی کس کس کا منہ کیلوں گا، منشی محرر قبالہ نویس تحصیلدار سب ہی واقف کار ہیں، کہاں جاؤں کیا کروں زیور ہوتا چپکے سے جا بیچ آتا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، مگر اس نیکبخت کی الٹی مت ہے چلوں دلال کو ڈھونڈوں تو سہی، آخر کب تک منہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھا رہوں گا، کچی ہنڈیا کا بھروسہ کیا نہ معلوم کس وقت کچھ ہو جائے، اور کیا صورت پیش آئے، سو پچاس روپیہ تو گھر میں موجود رہنے چاہئیں، ابا جان تو جب بھر پہلے تمام جیب بست بھر دیتے تھے میں نے اب تک خاک کچھ نہ کیا۔

بدنامی کا خیال بے عزتی کا احتمال فضول خرچی کا ملال ایک عارضی ابال تھا دو چار لمحہ کے بعد ختم ہو گیا۔ اور اب جو باقی تھا وہ بیوی کا صبر اور اپنی لاپرواہی دل ہی دل میں برا بھلا کہتا بیوی کو نہیں اپنے تئیں ملا کے مکان پر پہنچا اور ساری واردات جا سنائی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں انعام کی پریشانی ملا کے واسطے سوکھے دھانوں میں پانی تھا کچا ملا خرانٹ کہ ایسے

ایسے لنگٹوں کو دم بھر میں چاٹ جائے اور ڈکار تک نہ لے بیچارے انعام کو اپنی
ہی گھڑی بیچنے کھڑے ہوں تو برق انداز کے نام سے تھرا جائیں، بلّا وہ گھاگ اور افعی ناگ
کہ ایک پھنکار میں صفایا کر دے، چھوٹتے ہی کہنے لگا مولانا یہ تو چٹکی بجانے کا کام تھا مگر مجبور
ہوں روپیہ کا ایسا توڑا پڑا ہے، اس لڑائی کمبخت نے کسی کے پاس کچھ نہ چھوڑا، مہاجن یا
تو خود بیسیوں پھیرا کرتے تھے۔ کہ کہیں روپیہ اگلوا دو یا اب ہم جوتیاں توڑیں، اور پیچھے پر
ہاتھ نہ دھرنے دیں، سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے، چار روپیہ سینکڑہ اور پانچ روپیہ
سینکڑہ کا بھاؤ ہو رہا ہے وہ بھی جو کوئی ڈھب پر چڑھ جائے۔ خیر ایک کام کیجیے۔ رات کو
سب کاغذات مجھے دے جایئے تو میں انشاءاللہ ایک آدھ روز میں ہاں نا کا
جواب دے دوں گا۔

انعام۔ مگر مجھے تو آج ہی کل میں روپیہ کی ضرورت ہے۔ سود کا خیال نہ کیجیے
جتنے پر بھی ہو معاملہ کرا دیجیے۔ مگر جلدی ہو جائے۔

بلّا۔ میں نے تو جو اصل بات تھی وہ آپ سے کہہ دی۔ اللہ مالک ہے آپ قبالہ تو لا دیجئے،
بلّا نے کچھ ایسا روکھا منہ بنا کر باتیں کیں۔ کہ انعام کے اور بھی ہوش و حواس جاتے
رہے۔ لپکا ہوا گیا۔ کاغذ ڈھونڈھ ہے اور لے کر آیا تو بلّا نے کہا وہ سامنے قبالوں کا ڈھیر لگ
رہا ہے سب گروی کے ہیں وہیں ڈال دیجیے۔

انعام۔ آپ سب سے پہلے میرا کام کر دیجیے میں آپ کو خوش کر دونگا۔

بلّا خوش کیا جناب وہ تو دس روپیہ سینکڑے کی دلالی مقرر ہی ہے۔ خدا آپ کا کام کر دے
میری خوشی تو بڑی یہ ہے۔

انعام۔ تو میں شام کو پھر آؤں،

بلّا۔ میں خود ہی آؤں گا۔

انعام اس وقت تو گھر چلا آیا مگر صبر کہاں اضطراب کا یہ عالم تھا کہ شام تک
تین پھیرے کر ڈالے۔ رات کو پیر جی آئے تو انہوں نے فرما دیا بچّہ پرسوں ہوگا، سنتے ہی
پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، اس کو پیر جی کے ارشاد پر یقین کامل تو نہ تھا۔ مگر کچھ بیوی کی محبت
کا اثر کچھ لوگوں کا حسن اعتقاد ڈھل مل یقین تھا کچھ دم بلّا کے ہاں پہنچا۔ گھاگ کی سارا

راگ تھا۔ قبالہ موجود مکان موجود پھر کیا کمی منہ سے نکالنے کی دیر تھی، کہاں کے پانچ اور کس کے چار کہ جمعہ کے دو اور کیسے تین بارہ آنہ اور دس آنہ پہ ایک دو نہیں بیس ساہوکار دینے کو تیار ہوتے لیکن وہاں تو بات ہی اور تھی۔ انعام جیسی آسامیاں ملتی کس کو تھیں چار روپیہ سینکڑہ سود دس روپیہ سینکڑہ والی غرض پندرہ سو کے کٹ کٹا ساڑھے بارہ سو میاں کے پلّے پڑے اور اس طرح مکان رہن ہوگیا۔

(۶)

دنیا کے معاملے ہوں یا خدا کے کارخانے وقت کی بات تھی یا زمانہ کے اتفاقات رات کے ختم ہوتے ہی پیرجی کی بات پوری ہوئی، اور ایک ننھی سی جان نے باپ کے فرمانبردار شوہر کو والد بزرگوار بنادیا، ہوئی تو لڑکی مگر آغا جان نے صرف داداہی سے نہیں علی الاعلان کہدیا کہ مجھے تو یہ لڑکی سات لڑکوں سے افضل ہے۔ اللہ نے میری بچی کی جان بچائی۔ زچہ خانہ کا خرچ آنکھوں والے بھی اندھا کہتے ہیں جہاں خرچ بھی اندھا اور اٹھانے والے بھی اندھے وہاں کی حالت کا پوچھنا کیا اور اخراجات کا ٹھکانا کیا محلہ بھر میں جلیبیاں کنبہ بھر میں گوند شورا صبح سے شام تک حصوں ہی کا تانتا لگا رہا ہیجڑے بھانڈ میراسنیں ڈومنیاں ایک پانچ روز تک وہ طوفان رہا کہ مبارکباد کی صدائیں آسمان تک پہنچی تھیں، اور کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی، دل کھلے ہوئے حوصلے بڑھے ہوئے اللہ آمین کی بچی منّتوں مرادوں کی اولاد جو کچھ ہوتا کم تھا، بیچ والوں سے بھگت بھگتا کر گھر پہنچتے پہنچتے میاں کے پاس گیارہ سو پچاس روپیہ تھے جو ساس کے سپرد کئے چھٹی کا دن آیا تو کنبہ اور محلہ تو در کنار دوست اور جان پہچان تک طلب کئے گئے، مرد عورت ملا کر ہزار آدمی کا تخمینہ تھا۔ اور روپیہ باقی تھے چار پانسو اور قرض لئے غرض مکان خاک میں ملکر انعام اور بیوی کی ناک رہی۔ دو دن کی مہمانداری تھی ایک دن اچھی جھی سے گزرا رات کا کھانا دینے دلانے کھلانے کھلانے بارہ بجگئے۔ تو ماں نے بیٹی سے کہا ننھی بے اب تو بھی ٹکڑا کھالے بکی سے تو پھر یہ ہیری پر ہیز ہے آج چھٹی والے دن ہی جو کھا اوچ بیچ جاتا ہے۔ ایک غریب نے اس خیال کی مخالفت بھی کی اور کہا جناب چھٹی والے دن کیا خصوصیت

ہے اچھا ہو، ہلکا ثقیل ٹھنڈا گرم جو کھاؤ سب ہضم یہ بات تو قیاس میں نہیں آتی مگر کہہ کر چور ہوگئی۔ اس سرے سے اس سرے تک سب نے یہی کہا کہ آج جو چاہے شوق سے کھاؤ اور ذوق سے پیو۔ جاڑوں کے دن میدے کی باقرخانی ٹھنڈی برف بریانی اروی کا سالن اوپر سے غٹاغٹ پانی، دودھ پیتے ہی بچی کو سانس ہوگیا پسلی کا درد اور چھ دن کی جان ایک بیچ زمین اور ایک آسمان یعنی حکیموں کے سردار ڈاکٹروں کے پیر جو کچھ تھے وہ پیرجی، ان سراج الاطبا کا علاج ہی کیا دس پانچ تعویذ دو چار فلیتے ایک آدھ گنڈا اچھے دن کی بساط ہی کیا تھی، تین چار گھنٹے رات کو سات آٹھ گھنٹے دن کو چیختی چلاتی روتی پیٹتی۔ دوپہر بعد ہلکان ہوکر پڑی تو سمجھا کہ تسکین ہوگئی، مہمانوں کے جانے کا وقت قریب تھا۔ بیمار بچی دلہن بنائی گئی۔ بعد لمحہ سے لپے ہوئے کپڑے گوٹا پٹھا ٹیک کیا کر رہے تھے۔ اس کا فیصلہ تو اجرہ کی ماں ہی کرسکتی ہے۔ ہاں اتنا سب دیکھ رہے تھے کہ بچی تکلیف کے مارے اودی ہوئی جاتی تھی اور گونگی سی جان بے زبان اور اس قابل نہ تھی کہ اپنی مصیبت کی کیفیت اور درد کا حال اس ظالم سے کہہ سکے۔ جو ماں کی حیثیت میں اس کی صحت کی ذمہ وار اور جان کی محافظ تھی، گرچہ بھی معصوم آنکھوں کی التجا جب کھل جاتی تھیں اور پیشانی کا ننھا سا بل اپنی پوری کہانی سنا دیتا تھا۔ مہمان کھا پی اینٹھ اکڑ ٹھونس ٹھانس پیر مریدنی نکل نکل چلتے ہوئے تو شام اس پھول کی موت کا پیغام سر پر لیکر آئی۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ اور تقدیر کی بات ہے مگر یہ تو کھلا ہوا ستم تھا کہ دو نام کو نہ تھی اور تعویذوں کی بوچھاڑ تھی، تنہائی ہوئی تو انعام سسرے بھی آکر بچی کو دیکھا کلیجہ کانپ اٹھا۔ اس کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہوگیا گود میں لیا پیار کیا سینے سے لگایا مگر وہ بیہوش پڑی تھی دوڑا دوڑا پیرجی کے یہاں گیا۔ انھوں نے فلیتے دیے کہ جاتے ہی دھونی دے دینا پھر چاہے اچھی ہوجائیگی گھبرانے کی بات نہیں ہے جن کو لاڈ گھیرے آن کو دیکھ بہنیں سے مطمئن ہوکر گھر پر آیا تو ساس کی آنکھ لگ چکی تھی۔ ماجرہ بچی کو گود میں لئے اس کی صورت پر ٹکٹکی لگائے بیٹھی تھی یہ وہ وقت تھا کہ بچی دودھ چھوڑ چکی تھی۔ دو تین مرتبہ ماں نے جوش محبت میں رو رو کر چھاتی منہ میں دی مگر زبان میں کام کرنے کی طاقت نہ تھی ماجرہ ناتجربہ کار ضرور تھی مگر اتنا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ ایک سال سے جس کی آس لگا رکھی تھی جو چھ دن اور چھ رات میرے کلیجہ سے چمٹی اور چھاتی سے

بیٹی جس کی تمام خوشیاں اور ارمان قربان تھے وہ صرف آجتک کی میرے پاس مہمان ختم ہوئی، دودھ موجود ہے اور دودھ پینے والی رخصت ہوتی ہے۔ دفعتہً دل میں ایک ہوک اٹھی جھکی بچی کو پیار کیا، اس کی بے بسی پر کلیجہ پھٹنے لگا آنسو نکل پڑے، انعام نے تسکین دی اور کہا یہ دھونی کے فلیتے لو انشاء اللہ آرام ہو جائے گا پریشان نہ ہو، میاں کا اتنا کہنا ایک برچھی تھی جو جسم کے پار ہو گئی، آنکھ اٹھا کر اس کو دیکھا اور کہا کیا کہہ رہے ہو سال بھر کی محنت برباد ہو رہی ہے اور یہ ننھی سی کلی کھلنے سے پہلے مرجھاتی ہے شفا ہو چکی آنکھیں پھر گئیں دودھ چھٹ گیا سانس اٹھا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا کلیجہ پر یہ داغ لکھا تھا کیا کروں کہاں جاؤں لے اللہ میں اپنی بچی پر قربان ہوں مجھ پر رحم کر اس کی آئی مجھے آجائے ننھے میں جان ڈال دے اے اللہ میری بچی کو جلا دے پرسوں کیسی بیتاب رہی تھی مگر منہ میں دودھ لیتے ہی چپکی ہو گئی شام سے دودھ نہیں پیا چمچہ میں نکال کر حلق میں ڈالا نہ اترا۔ میرا نصیب اس قابل کہاں کہ اب میرا دودھ یہ قبول کرے ہائے کیسی سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ کمزوری کے مارے آواز نہیں نکلتی، دیکھو پھر پیٹ میں مروڑ اٹھا خدا کے واسطے تم گود میں لیلو مجھ سے اس کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی لے اللہ ان پھولوں پر یہ اذیت۔

انعام یوں ہی اللہ کے جی تھے بیوی کی گفتگو سے کلیجہ ٹوٹ گیا آنسو نکل پڑے۔ بچی کو گود میں لیا بیہوش تھی غور سے دیکھا۔ فرط محبت سے بیتاب ہو کر پیار کیا کلیجے سے چپٹایا۔ روتا رہا لپٹاتا رہا، ہاجرہ نے آگ سلگائی، دھونی شروع کی بچی دم تو پہلے ہی توڑ رہی تھی دھونی کی کثرت سے سانس گھٹنے لگا گھبرا کر ایک آنکھ کھولی گویا چھ دن کی مہمان نے چلتے ہوئے باپ سے اتنا کہہ دیا کہ دھونی کی ضرورت کیا پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا ہوتا۔ ہچکی لی نہ خرخرا ایک ننھی سی سسکی تھی جس نے باپ کی گود میں بچی کو ختم کر دیا۔

(۱۷)

انعام و ہاجرہ کہنے کو ماں باپ بن گئے مگر دونوں ناتجربہ کار تھے، اس سے پہلے مردہ تو دیکھ لیا ہوگا، مگر موت کا اتفاق نہ ہوا تھا دونوں نہ سمجھے کہ کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گیا مردہ کو کلیجہ سے لگائے ہوئے انعام گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھا رہا، بارہ بجے کے بعد وہ بھی اس طرح کہ ہاتھ نیچے لٹکا ہوا تھا، چہرہ یا انگلی لٹک گئی اماں جان گھبرا کر اٹھیں تو آ کر بچی کو دیکھا منہ سے کچھ نہ بولیں

گود سے لے کر الگ لٹا دیا۔ اور صرف اتنا کہا کہ بس جہاں سے آئی تھیں وہیں چلی گئیں۔
اتنا سنتے ہی دونوں نے غور سے دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ ناجرہ نے ایک چیخ ماری۔ انعام نے
کلیجہ پر گھونسا مارا۔ اور تینوں نے بیٹھ کر رات صبح کی۔ دن نکل آیا۔ تو تجہیز تکفین شروع ہوئی
فارغ ہوئے تو شام تک رونا پیٹنا رہا۔ مغرب سے کچھ پہلے ساس نے داماد سے کہا۔
میاں جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ صبر کرو تمہاری کمائی میں اس کا ساجھا نہ تھا جو وہ تمہارے
پاس رہتی۔ چھ دن کی تکلیفیں اٹھانی تقدیر میں لکھی تھیں اٹھا گئی۔ اب تو جو کچھ اس کی محبت
سمجھو یا حصہ یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے موافق اس کو پہنچا دو۔

انعام۔ جو فرمائیے وہ تعمیل کروں۔ دودھ تو بچوں کو پلایا جاہی رہا ہے اور مجھے
معلوم نہیں کیا ہوتا ہے۔

ساس۔ ارے میاں دودھ سے کیا ہوتا ہے۔ ابھی تو پھول دسواں بیسواں۔
چالیسواں سب ہی کچھ پڑا ہے۔ بس چالیسویں تک ان بیوی کا حصہ اور سمجھ لو۔ پھر کیا وہ گھڑی
گھڑی تم سے مانگنے آئے گی۔ سینکڑوں کمانا اور اٹھانا دو گے یہاں۔

انعام۔ یہی تو عرض کر رہا ہوں۔ پھول کب کے کیجئے گا۔ مجھے تو خبر نہیں۔ شاید تیسرے
روز ہوتے ہیں پرسوں کے کر دیجئے۔

ساس۔ ارے بیٹا بیچ پرسوں بدھ ہے کل ہی کے کر لو۔

انعام۔ بہت اچھا جو انتظام فرمائیے وہ ہو جائے۔ ان سے بھی صلاح لے لیجئے آخر
کب تک روئیں گی۔ اللہ کی یہی مرضی تھی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ساس۔ ان سے کیا صلاح لوں۔ سچ کیا روتی ہیں عمر بھر روئیں گی یہ داغ کہاں مٹنے
والا ہے۔ ایک نا سور ہونا تھا ہو گیا۔ بھائی انتظام کیا کرو گے وہی جو شادی کے آنے والے
تھے وہی پھولوں کے ہوں گے۔ بلکہ اور زیادہ ہی سمجھ لو۔ کیونکہ موت کا دروازہ عام ہے
خیر سب کو کہہ دو کہ کل کے پھول ہیں۔

انعام۔ کل تو بہت مشکل ہے کیونکہ روپیہ کا انتظام کرنا ہے۔

ساس۔ اچھا دن ہو جائے گا۔ مگر خیر خیرات میں کمی نہ ہو ورنہ وہ کہاوت تو
نہ ہو گی کہ مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود۔

انعام جی ہاں جمعرات ہی مناسب ہے۔

انعام سیدھا سادہ بھولا بھالا نیک شریف جو کچھ بھی تھا مگر منہ پر آنکھیں تھیں دیکھتا تھا دماغ میں عقل تھی۔ واقعات پیش نظر اور معاملات آنکھ کے سامنے تھے سمجھ تو رہا تھا سودائی نہ تھا جہاں بک سکتا تھا اور سمجھ سکتا تھا کہ یہ چال چلنے والی اور یہ جال رہنے والا نہیں۔ جانے کب تک ساتھ دے گی۔ اور زیور کہاں تک ہاتھ بٹائے گا۔ تھوڑے روز میں سب صفایا ہے۔ بیوی ہاتھ ہلائے نہ پاؤں پکڑا۔ اور میاں للہ دوسرے چڑھے رہے خود ہماری عقل کام نہیں کرتی کہ یہ بھید تھا کیا کہ ایسی کٹر مسلمان کہ پھولوں کا کھانا گھر میں گھسنے تک نہ دے۔ باپ ایسا جید عالم کہ شبرات کا حلوا اور محرم کا شربت بدعت سمجھے اور اولاد کی عقل پر یہ پتھر پڑے۔ کہ چھ دن کی چھوکری لڑکی اور پھولوں کا اہتمام یہ کچھ کال پڑا ہوا حال بگڑے ہوئے پنسیریوں کا آدھ سیر کی اچھے اچھے رئیسوں کے چھکے چھوٹے جاتے تھے انعام کی تو ہستی ہی کیا تھی گرہ میں نہیں کوڑی گٹے والے ہوت ایک ہفتہ میں دو تقریبیں شادی بھی اور غمی بھی عقیقہ بھی اور پھول بھی پوری برادری اور ڈرا خاندان دو دسترخوان کیا ہنسی کھیل تھے۔ مگر رسوم کا چکر ایسا تھا کہ جو ہو وہ دھوم سے اصل چیز روپیہ تھا۔ لائے کہاں سے اور دیتا کون۔ ذری لے دے کر ایک تھا باقی اللہ اللہ اور خیر صلاح مگر یہ کیا ایسے بھولے تھے صاف جواب دے دیا اور کہہ دیا جناب آپ کا مکان بارہ ہزار کا ہے تو اور بیس ہزار کا ہے تو اللہ آپ کو نصیب کرے۔ آپ بیچ تو رہے ہی نہیں جتنا لینا اتنا دینا مگر اس کی نگاہ میں مال زیادہ کا نہیں۔ وہ تو اس وقت بھی اکڑ رہا تھا کہ رقم زیادہ ہے خیر نہیں میں تے کس کس طرح چھپایا ہے۔ بیچنے والی دکانوں کے تقاضے آتے اللہ چاہے کام ہو جائے گا۔ انعام کو تو کچھ گھڑے کی چڑھی ہوئی تھی فکر کرتی اس کی جوتی اور غور کرتا اس کا صدقہ سیدھا اٹھ کر آیا۔ قفل کھول کاغذ نکالے اور جیب کا سے وہاں پہنچا۔ پھیلے والی جاتا اور شہر کا مول اور انگوٹھی تو بکی ہوا تھا۔ بد نصیب نے کوڑیوں کے مول بہا دیا اور پندرہ سو روپیہ گود میں ڈال اور جیب میں بھر گھر آئے۔ تو جاوے پھر ہی چکے تھے۔ کھانے دانے کا انتظام شروع ہو گیا۔ کہتے ہیں آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے صبح کا بھولا شام کو بھی گھر آجائے تو غنیمت ہے پھرچی کے گرتا

آنکھوں سے دیکھے دن دہاڑے دیکھے کھلے خزانے دیکھے۔ ایک دیکھا دو دیکھے۔ صادقہ کو آگے دے کر اس نے مروایا۔ بچی کو دہونی دے کر اُس نے ختم کیا۔ بکروں کے نام سے اُس نے مزے اُڑائے۔ مرغوں کے بہانے اس نے چین کیا۔ تعویذوں کی آڑ میں اُس نے پیٹ بھرا۔ علاج کے دہونس میں اس نے گلچھرے اُڑائے۔ مگر کیا مجال جواب بھی اُس کے وقار میں فرق یا عظمت میں کمی آجاتی۔ کھانا پکا تو وہ دیگیں بندکی بند اُس کے پاس بھیج دی گئیں۔ مفت کا مال قاضی کو بھی حلال دن بھر وہ بلٹس چکی کہ تیرہ من بریانی میں شام کو دانہ تک نہ بچا۔ خدا معلوم چٹیالے کی جائداد نے لاّ نے یا خدا لے ہ کس نے اس وقت تو میاں انعام کی عزت رکھ لی۔ مگر آنکھ بند کر کے آٹھ دن گذر گئے۔ تو دسواں تھا۔ باپ دادا کی نشانی تھی یا گھر کا کوڑا گھوڑا تو کبھی کا مر چکا تھا۔ گاڑی البتہ موجود تھی وہ دسویں کے نذر ہوئی۔ دنوں کو جاتے کیا دیر لگتی ہے۔ دسواں ختم ہوتے ہی بیسویں نے سلام علیک کی صدا دی۔ اس وقت ساس کی شفقت اور بیوی کی عنایت دونوں شکریہ کے قابل تھیں۔ ماںبیٹیوں کی صلاح جو کچھ ہوئی ہو۔ لیکن دوپہر کے وقت ایک روز ادھر انعام کھانا کھا کر اٹھا۔ ادھر اماجان نے کہا بیٹا بیسویں کا کھٹراگ زیادہ نہ کرنا میہمان داری کی ضرورت نہیں معمولی کھانا پکوا کر اللہ کے نام دے دو۔ ایسا ہی ہے تو گود پیٹ میں حصے بھیج۔ یا نہ ہو تو اولاد کے لئے چوری تھوڑی کی جائے گی۔ جو کچھ کرنا ہے تو روپیہ کے اندر اندر کر لو۔ یہ کنگن لے جاؤ۔ اس پر روپیہ لے آؤ۔ بھائی زیور تو رجے کا سنگار اور بہو کے کام آتا رہے۔ چالیسویں سے فارغ ہو کر سارے قرضہ کی قسط لگا دینا۔ بریانی متنجن ہی کا کیا ٹھیکہ ہے۔ روٹی سالن اور قبولی کر دو۔ پانچ من کی روٹی اور دو من کی فیرنی بہت ہے۔

ساس کی اول تو شفقت آمیز گفتگو اس پر یہ بحث بسا غنیمت تھی۔ بہت خوش بے حد شکرگذار اور حد سے زیادہ ممنون ہوئے۔ روپیہ کنگن پر لائے۔ اور بیسویں سے فراغت پائی تو چہلم دندناکر آرہا تھا۔ اور آ کیا رہا تھا باتوں ہی باتوں میں آبھی پہنچا۔ تو انعام نے اپنی طرف سے پہل کی۔ اور ساس سے پوچھا۔ اماجان چالیسویں میں چار دن رہ گئے۔ اب جس طرح روپیہ کا انتظام فرمائیے کیا جائے۔

ساس۔ بھائی کیا بتاؤں میرے تو آپ ہوش اڑے جاتے ہیں۔ رات کی نیند ہے نہ دن کی بھوک اسی چکر میں ہوں۔ بیسویں کے بعد مہینہ کی فاتحہ تھی تم کو خبر بھی نہیں کی جو اللہ نے دیا کر دیا۔ اب یہ چالیسواں تو آخری دان ہے۔ زندہ رہتی جہیز لیتی۔ تم اپنی حیثیت دیکھ لو۔ آنے والے تو وہی ہیں جو چھٹی میں تھے۔ اب ڈولیوں کا کرایہ بھی ہے۔ پھولوں میں نہیں تھا۔

انعام۔ بس تو کوئی دو ہزار کا تخمینہ ہے۔

ساس۔ ہاں اور کیا۔

مرے کو مارے شاہ مدار چالیسویں میں ابھی چار روز باقی تھے۔ کہ شبرات نے بھی ایک وار کر دیا۔ زندوں کے کھانے کے تیس دن مردوں کی ایک شبرات، پوریاں کچنی لازمی اور حلوا ضروری شبرات اور وہ بھی چالیسویں کی کہ ابھی مردہ کی روح گھر ہی میں ہے۔ مردہ اور وہ بھی اتنا عظیم الشان اتنا موٹا تازہ اتنا لمبا چوڑا کہ اکٹھے چھ دن اور چھ رات دنیا میں رہا۔ جس کے صرف مرض ہی کارنامے نمایاں سمجھے جائیں۔ تو بہت کچھ ہیں۔ ایسے مردہ کا تو حلوا کیا اور زردہ کیا جو کچھ بھی پکتا کم تھا۔ جائداد لے دے کر صد رہ گئی کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اس بہانے وہ بھی گروی جنچی۔ روپیہ آیا تو بات پیچھے شبرات پہلے۔ اس پر طرہ بیوی سب گنوں پوری رسموں کی شیدا تہواروں کی عاشق یقین کی پختہ ارادوں کی پکی برس کا برس دن فقط حلوے سے گیا کام چلتا دنیا جہان کے مردے آتشبازی چھوڑتے۔ ہاجرہ کی بچی ایک ایک کا سنہ تکتی غرض شبرات زور شور سے منائی گئی۔

(۸)

تقدیر کی خوبی تھی اور وقت کی بات کہ انعام کا پھوپھی زاد بھائی تھا تو بچہ مگر نہایت سمجھدار اور فرمانبردار دیوبند میں عربی پڑھتا تھا۔ ہفتہ بھر کے واسطے گھر آیا۔ بیوہ مامرتے وقت بھتیجے کے ہاتھ میں ہاتھ اور پندرہ سو روپیہ دے گئی تھی۔ انعام بات کی لاج یا ہاتھ پکڑے کی شرم کیا خاک رکھتے۔ غریب اپنے شوق سے بھٹکتا بھٹکتا دیوبند جا پہنچا۔ فطرت میں علم طبیعت میں ذوق ذہن کا اچھا عادت کا مسکین تھوڑے ہی روز میں وظیفہ مل گیا تین سال بعد گھر آیا تو کنبہ برادری خاندان جان پہچان غیر خویش جو کچھ تھے وہ میاں

انعام عزیز تھے۔ بزرگ تھے امین تھے۔ قریبی تھے۔ جو کچھ تھے حضرت تھے بھائی بھائی سے زیادہ بھاوج بھاوج سے بڑھ کر بھاوج کی ماں دو چار دن تو خوب آؤ بھگت ہوئی۔ مگر حرف مطلب زبان پر آنا تھا کہ سب وید ے بدل گئے۔ مفلس تھا، غریب تھا بے بس تھا بیکس تھا، تین برس کی جان یتیم ہوا۔ دو سال بعد ماں کا بچھو اچھوٹا۔ ایک خدا کا سہارا تھا ورنہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے والا نہ تھا۔ سات برس کی عمر تک انعام کے ہاں رہا بساط ہی کیا تھی مگر دیکھ رہا تھا۔ مٹی پلید اور زندگی برباد ہو رہی ہے۔ دیس چھوڑی پردیس بھیک وطن کو خیرباد کہا اور نکل کھڑا ہوا۔ خدا مسبب الاسباب تھا غیب سے سامان ہوا۔ دار العلوم دیوبند نے لاوارث یتیم کو آغوش شفقت میں لیا اللہ والوں نے معصوم کے دل سے ماں باپ کی یاد بھلا دی۔ عمر کے ساتھ شوق علم اور شوق کے ساتھ ضروریات تعلیم نے ترقی کی۔ کتابوں کی ضرورت تھی بچپن کی سُنی سنائی امانت خیال میں، ادھر کا قصد کیا شبرات کا اہتمام چالیسویں کا سر انجام بچوں کا کھیل روپیہ کی ریل پیل بھائی بھاوج کا وصلہ دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں، کامیابی کا یقین پورا تھا مگر بھائی کی لیت و لعل بھاوج کی ٹال مٹول معصوم کو ایک ایک دن ایک ایک سال تھا منت سے کہا خوشامد سے کہا منہ موڑ کر کہا ہاتھ جوڑ کر کہا مگر یہاں تو ان تلوں تیل ہی نہ تھا، گویا دو چار دن تو اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ مگر جب دیکھا کہ یہ بلا ٹلنے والی نہیں۔ بیٹھے بٹھائے مفت کی ہتیا آئی تو صاف کہہ دیا کہ بھائی کس کا روپیہ کیسی امانت اتنے دنوں تک تم کو پالا پوسا کھلایا پلایا اس کا بدلہ یہ کہ اتنا بڑا طوفان ایسا عظیم بہتان دو تہ چار اکٹھے ڈیڑھ ہزار خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا بچے ہو بات بھی کہی تو کچی، لم ایسا تو رکھو لب جائے۔ اس میں تو الٹے دیوانے ہو گئے۔ ابا والد ی بچاری نے ڈیڑھ ہزار تو در کنار کبھی ڈیڑھ سو آنکھ کھول کر دیکھے ہونگے کفن تک تو نصیب ہوا نہیں۔ گو ڑ گڑ ھا میں نے کیا۔ چھوٹے چچا کا دم تھا جو پھول بھی ہو گئے تمہارے ابا اللہ بخشے عمر بھر بھیک مانگتے رہے دوسروں کی کمائی پر ان کا گذران تھا ہمیشہ خیرات کے کپڑے پہنے۔ اور خیرات کی روٹیاں کھائیں۔ بے کار رہے قرضدار رہے مٹی کے برتن لیبری کپڑے پھٹا ہوا ٹاٹ جس نہ دیکھا ہو یا سپنے آئی کمائی سے۔ دونوں بھائی

بیوی دس روپوں کے واسطے مرتے مرگئے اور منجھلے ماموں جان نے نہ دیئے یوں تم میرے
بھائی ہو۔ اللہ کے نام کا سودا ہے، دو چار روپیہ سے باہر نہیں ہوں مگر تم تو عمر بھر کی
چشم چپاٹا کر رہے ہو۔ خود سوچو یہ رشتہ توڑنے کی باتیں ہیں یا جوڑنے کی۔ یہ الزام تھوڑا ہے
میں تو انشاء اللہ عمر بھر تمہاری صورت نہ دیکھوں گا، کیڑا سا چھوڑ کر ماں مری کمیاں کہاں تک
رہی تھیں۔ کلیجے سے لگا کر رکھا چھوٹے سے بڑا کیا۔ آپ دکھ اٹھا کر تمہیں سکھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ملا
ہے واہ حضرت واہ جنہوں نے تم کو یہ ترکیب بتائی وہ تمہارا خیرخواہ نہیں دشمن ہے جنی جان کی یہ تھی
دکھ بیماری مرنا جینا اچھی بری سب بھگت رہے ہیں۔ جو بڑوں میں بزرگوں میں بڑوں میں چھوٹوں
میں اب تمہارا رہا کون سارے کنبے میں ایک پھوپا کا دم ہے دیکھو جو ہول سو ہیں مجھکو بھی
تم نے ہاتھ سے کھویا۔ اب میری طرف سے مرو یا جیو اللہ جانتا ہے بات تک نہ کروں۔
تم مجھ سے گئے میں تم سے، شریف ہو تو میرے مرنے تک نہ آنا، یہ تمہاری بھابی مسلمان
بیٹھی ہیں۔ بیوی ہیں تو ہول میری قبر میں تھوڑی سوئیں گی۔ ایمان کی بولیں گی، ان کے ہاتھ پر قرآن
رکھ دو۔ اماں جان موجود ہیں ان سے پوچھو کبھی بھی کسی نے سنا، مرنے والی اچانک تو مری نہیں
کر کلیا میں گوڑ پھوٹ گیا۔ ڈیڑھ مہینے کھٹیا کٹی تھی۔ آئے سے گئے سے اپنے سے غیر سے کسی سے
تو ذکر کیا ہوگا۔ ایک ہی گواہ لے آؤ ڈیڑھ ہزار کیا میں تو دو ہزار دینے کو طیار ہوں۔ مرنا ہے
سدا یہاں رہنا نہیں۔ کہ تم غریب کی امانت ہضم کرلوں۔ آخر یہ تم سے کہا کس نے، میں
بھی تو سنوں یہ عنایت ہے کس کی۔

اب کیسی پورا یقین تھا کہ روپیہ ترقی کے پھول سے گنواؤں گا۔ مگر کورا جواب سنکر
سناٹا آگیا۔ کہتا کس سے اور کرتا کیا۔ بمشکل تمام کرایہ کا انتظام کیا تھا تو یہاں تک پہنچ بھی
گیا۔ اب واپسی کے بھی لالے تھے۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حسرت سے ظالم کی صورت
دیکھی اور خاموش ہوگیا۔ تو بھاوج نے کہا۔

بھائی تو دیوانہ ہوا ہے چودھویں صدی لگی کردہ ہوے۔ بڑی پانچ برس تک مفت کی
روٹیاں توڑیں اور اچھے سے اچھا کپڑا پہنا۔ وہ احسان تو گیا چولہے میں الٹا بے ایمان
بنا دیا۔ تمہاری بہن کو دو ہنک کی روٹی تو کبھی بڑی ہی نہیں۔ آخیر لڑکی میاں ایاں کرایہ
کی دور [illegible] ٹیاں تو کبھی نکلنی نصیب ہوئی نہیں پورے تین برس کا کرایہ تو حافظ جی کا [illegible] سود

دو برس چچا نصیر کی ڈیوڑھی میں پڑیں۔ ڈیڑھ ہزار کا نام بھی سُن لیا کبھی دیکھے بھی ہیں۔ بیٹا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ اب ادھر کا رُخ نہ کرنا دوانے ہو تو سڑک پر جا کر لوگوں کے پتھر مارو جو پکڑے جاؤ۔ یہاں خواہ مخواہ کیوں دوسروں کی جان جلاتی۔

انعام۔ میاں اٹھو دیکھو ادھر ہے دروازہ سنبھالو۔ اپنا اسباب و سباب لو ایک تو یہ تمہارا اچھا ہوا بستہ ہے جس کو بیگ فرماتے ہو۔ دو یہ کتابیں ہیں دیکھ لو خبر نہیں کیا کہہ دو کہ بیگ میں بھی اشرفیاں بھری تھیں۔

لڑکا۔ بہت اچھا ابھی چلا جاتا ہوں۔

انعام۔ چلا جاتا نہیں ہوں بس کھڑے ہو جاؤ۔

(۹)

روپیہ کی مایوسی کا زیادہ اثر نہ تھا۔ البتہ توقعات کے خاتمہ نے معصوم کے دل پر بجلی گرا دی۔ کتابوں کی خوشی ایک خواہش کی تکمیل ایک ارمان کا پورا ہونا فرحت و انبساط کا دریا تھا جس نے یتیم کے دل میں دو تین لہریں لیں۔ اور راتوں سبز باغ دکھائے۔ مگر اس وقت وہ دریا چٹیل بیابان اور سبز باغ اجاڑ میدان تھا۔ اٹھا تھیلا بغل میں لیا اور سلام علیک کرکے باہر آگیا۔

باوجود اس سنگین جرم کے جو علی الاعلان تھا ہم انعام کو بے ایمان کہنے پر تیار نہیں جو کچھ کیا۔ مجبوری سے اور جو کہا لاچاری سے چور کے پاؤں کہاں وہ صورت دیکھتے ہی کھٹک گیا تھا۔ میاں بیوی کی صلاح ہو گئی۔ اور میاں نے جو کچھ کہا وہ درحقیقت انعام کی زبان اور ہاجرہ کا بیان تھا۔ اس راز کے واقف کار اول تو تھے ہی نہیں، اور جو دو چار تھے بھی وہ مر کھپ گئے۔ ایک مولانا حق داد باقی رہ گئے تھے۔ بیچارے اگلے زمانے کے آدمی پرانی آنکھیں دیکھے ہوئے ایمان کے لوگ برتتے ہوئے پیڑیوں کے ملنے والے ساتھ کے کھیلے بات کے پورے انعام کے حالات سُن سُن کر سانپ کی طرح سر دھنتے اور چپ ہو جاتے بڑے آدمی تھے۔ بارہ مہینے کے نمازی تہجد گزار ایک کونے میں رہنا اور اللہ اللہ کرنا نہ معلوم کس ضرورت سے لکڑی ٹیکے تسبیح پڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ لڑکے نے سلام علیک کی۔ ٹھٹک گئے۔ جواب دیا۔ بصارت کمزور تھی پہچان نہ سکے

پوچھا میاں کیا نام ہے۔

لڑکا۔ غلام کو حسن امام کہتے ہیں۔

مولانا۔ کس کے صاحبزادے ہو؟

لڑکا۔ والد صاحب کا نام مولوی عبدالماجد۔

مولانا۔ دلداری کے لخت جگر ہو۔

لڑکا۔ جی ہاں۔

مولانا۔ میرے پاس آؤ گلے سے لگو، تم کہاں ہو؟ کب آئے ہو؟ کہاں ٹھہرے ہو میاں انعام کے ہاں۔

لڑکا۔ ہفتہ بھر کے قریب ہوا وہیں ٹھہرا اب جا رہا ہوں۔

مولانا۔ میاں ایسی جلدی کیوں جاتے ہو دو ایک روز میرے ہاں رہو۔

لڑکا۔ کچھ روپیہ بھائی کے پاس تھا وہ لینے آیا تھا۔ کتابوں کی ضرورت تھی۔

مولانا۔ ہاں ہاں لے لیا۔

لڑکا۔ جی نہیں انہوں نے فرمایا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

مولانا۔ کیا؟ وہ تو ان کے پاس امانت ہے چلو تم میرے ہاں چلو۔ میں تم سے بات کروں۔

دل ٹوٹا ہوا ہمت چھوٹی ہوئی بےچینی اور بےکسی دونوں حالتیں قابل رحم تھیں۔ مولانا کا چمکا رنا تھا کہ معصوم کا دل بھر آیا۔ لپٹ گیا اور رونے لگا مولانا قریبی عزیز تھے! اس کی صورت دیکھتے ہی دلداری کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ اور وہ وقت یاد آگیا کہ مرنے والے کی روح عالم بالا کو پرواز کر رہی تھی، معصوم بچہ کلیجہ سے چمٹا ہوا تھا۔ اور مفارقت ابدی کے خیال سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ انعام کو بلا کر روپیہ سپرد کیا۔ اور کہا یہ اس یتیم کی امانت ہے حقیقی وارث اور بہتر امین آپ ہیں بن باپ کا بچہ جو اب بن ماں کا ہوتا ہے آپ کے سپرد ہے۔ اس کی تربیت میں جو کچھ صرف ہو وہ کیجئے گا اور باقی اس کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے واسطے ہے۔ یہ بے وارثی کی التجا اور بیوہ کی درخواست ہے۔ آپ جس قدر اس بچہ پر رحم کریں گے اسی قدر میری روح آپ کے واسطے دعا کریگی۔ میرے پاس اس کا

معاوضہ کچھ نہیں۔ نہ میں اس کے قابل ہوں۔ ہاں مالک حقیقی آپ کو دونوں جہان میں اس کی جزا دے گا۔

مولانا کی آنکھ سے وہ سماں یاد آتے ہی آنسو نکل پڑے گھر لائے ہاتھ منہ دھلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ رات زیادہ آگئی تھی۔ جب تک بچہ جاگتا رہا سمجھاتے رہے اس کی تعلیم کا حال سنکر بے انتہا خوش ہوئے۔ اور علی الصبح دونوں نماز سے فارغ ہوکر انعام کے پاس آئے۔

مولانا بڈھے پھونس اسی برس کی عمر کمر جھکی ہوئی ہاتھ پاؤں میں رعشہ بسم اللہ کہکر جو اندر داخل ہوئے۔ تو انعام کا خون خشک ہوگیا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ بچہ کو کچا کھا جاتا۔ خواستہ یا ناخواستہ رضا یہ تھا اندر لیکر آیا۔ اور دو زانو سامنے بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں شروع کرکے مولانا نے کہا انعام میاں آج میں نے تین بلکہ ساڑھے تین برس بعد تمہاری صورت دیکھی ہے۔ بڑے مولوی صاحب اللہ بخشے عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے مگر چالیس برس میں ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ وہ مجھ سے نہ ملے ہوں۔ اول تو میں خود ہی آندھی ہو یا مینہ ناغہ نہ کرتا تھا۔ اور اگر کبھی دکھ بیماری کی وجہ سے ایسا ہی مجبور ہوگیا تو آدھی رات تک دروازہ کھولے بیٹھے رہتے تھے۔ ناامید ہوئے سیدھے اٹھے اور پہنچے اب میں اس قابل ہی نہیں رہا۔ ہاتھ پاؤں جواب دے چکے تھے۔ بدن میں طاقت نہیں پاؤں میں سکت نہیں۔ دو قدم چلتا ہوں سانس پھول جاتا ہے آنکھیں ہی نہ رہیں تم سامنے بیٹھے ہو مگر صورت صاف نہیں دکھائی دیتی۔ پر مجھے پڑا سوا ہوں۔ مگر تمہارے حالات رتی رتی اور تل تل میرے کان تک پہنچ رہے ہیں۔ عقل کام نہیں کرتی کہ تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے بیوقوف بھی دیکھے عقلمند بھی غریب بھی دیکھے امیر بھی بچے بھی بڈھے بھی مگر تم نے تو وہ ستم ڈھا رکھا ہے کہ دیکھا نہ سنا۔ بزرگوں کی ناک تم نے کاٹی۔ اتا بادا کی آبرو تم نے برباد کی باپ دادا کی لاج تم نے گنوائی۔ خاندان پر پانی تم نے پھیرا جس گھر پر کوئی بھول کر بھی خدا کے سوا دوسرا نام نہ لیتا تھا اس در پر آج تمہارے راج میں رسموں کی حکومت اور فقیروں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ خدا کی شان ہے جہاں دن رات قال اللہ وقال الرسول کے چرچے رہتے تھے۔ وہاں آج کوئی بھول کر بھی خدا کا نام نہ لے میں نے تمہارا بچپن دیکھا۔ لڑکپن

دیکھا، اور اس وقت جوانی بھی آنکھ کے سامنے ہے۔ میں نے تم کو ماں کی گود میں دیکھا۔
دولھا بنا دیکھا اور آج باپ ہونے کے بعد بھی تمہاری صورت میرے روبرو ہے۔ مگر یہ تغیر
یہ فرق یہ انقلاب جو صورت میں نہیں۔ سیرت میں وجاہت میں نہیں حالت میں نام
میں نہیں کام میں حالات میں عادات میں اطوار میں رفتار میں سن رہا ہوں۔ اور دیکھ
رہا ہوں۔ سن سن کر اور دیکھ دیکھ کر روح فنا ہوئی جاتی ہے۔ تم لاکھ بچے تھے مگر کیا
مولانائے مرحوم سے میرے دن رات کے تعلقات ہر وقت کا ملنا جلنا تمہ کو یاد نہ
ہوگا میں اس شمع ہدایت کا پروانہ اور وہ مغفور میرے اس قدر قدردان تھے کہ حقیقی
بھائی قربان ہوں۔ تم ان کی یادگار تھے میرے دل کا سہارا میرے زخم پر مرہم رکھتے شریک
تدفین تھے باعث تسکین ہوتے۔ مگر تم نے تو وہ سلسلہ منقطع وہ تعلقات ختم اور وہ محبت
ہی خاک میں ملا دی۔ لیکن بیٹا میں تمہارے جیسا دل کہاں سے لاؤں۔ سنتا ہوں اور
کڑھتا ہوں جلتا ہوں اور روتا ہوں۔ کیا کروں مجبور ہوں لاچار ہوں بے پر ہوں۔ بے بس
ہوں۔ عمر بھر کی کمائی اور اسی برس کا سرمایہ دو بچے نصیر اور بی عبادی ہیں۔ مگر یقین
کرنا ان دونوں کی بربادی اور تباہی کا مجھ کو اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا تمہارا، قبر میں پاؤں
ہیں، مرنے کو تیار ہوں۔ مگر سچ کہتا ہوں کوئی رات خالی کوئی دن صاف اور کوئی نماز
ایسی نہیں جاتی، کہ تمہارے واسطے دعا نہ کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور تم سے زیادہ جانتا ہوں
کہ بیوی ہمیشہ کی رفیق اور عمر بھر کی ساتھی ہے۔ بیاہی جاتی اسی دن کو لائی جاتی ہے کہ میاں
بیوی سلوک سے رہیں۔ اور عزت سے بسر کریں۔ مگر ایک تم ہی انوکھی بیوی نہیں لائے
دنیا لاتی ہے اور رکھتی ہے مگر یہ شرک یہ بت پرستی الامان والحفیظ کہ پیروں کو رسولؐ سے
اور فقیروں کو خدا سے بڑھاؤ، شرم کا مقام اور رونے کا وقت ہے کہ بڑے بڑے عالم
اور اچھے اچھے زاہد تمہارے والد مرحوم سے مصافحہ کے خواستگار ہوں اور تم ایک
بنے ہوئے پیر او چھوٹے فقیر کے آگے ناک رگڑو۔ یہ تمہاری بیوی جو آج گھر والی بنی بیٹھی
ہیں۔ میرے سامنے کی بچہ اور گودوں کی کھلائی ہیں، سن رہی ہیں اور سمجھ رہی ہیں بولیں بیاہتیں
بہوئیں اسی دن کو آتی ہیں کہ ساس سسروں کی ناک چھری سے کاٹ دیں۔ بیاسی سے
ہزار برس کی نیو کہلاتی ہے۔ کہ بزرگوں کی آن بان پر آنکھ بند کر کے پانی پھیر دے۔ دونوں

یہاں ہو یا مسلمان ہو، مسلمان ہو اور مسلمان کہلاتے ہو مگر کافر تم سے اچھے اور مشرک
تم سے بہتر سوچو اور غور کرو۔ اسلام کا اصلی منشاء شرک کو مٹانا اور بت پرستی کو غارت
کرنا تھا۔ یہاں تک کہ خود رسول اکرم کو یہ کہنا پڑا کہ میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں۔ خدا
خدا ہی ہے۔

مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی   کہ بندہ بھی ہوں اُس کا اور ایلچی بھی

ایسا سچا مذہب اور ایسا اچھا رسول جس نے صاف صاف کہہ دیا کہ سوا ایک ذات
واحد کے کوئی دوسرا عبادت کے قابل نہ پرستش کے لائق تم اس کے پیرو ہو کر اپنے
ہی جیسے انسانوں کو خدا سمجھو، رسول جانو، سدا یہیں رہنا نہیں چلنا بھی ہے یہ عارضی
جلوے یہ فانی صورتیں سب ختم ہونے والی ہیں۔ ہاں ان کی یادگار وہ کلنک کے ٹیکے جو
تمہارے ماتھے پر چمک رہے ہیں، تمہارے اعمال ناموں سے مٹنے والے نہیں، نہ یہ سیاہ دھبے
چھوٹنے والے اور نہ شرک کی زنجیریں ٹوٹنے والی نہ ذلیل افعال اور کمینہ اعمال اوپر ہی
اوپر جائیں گے۔ ان کا جواب لازمی ان کا حساب ضروری ان کا عذاب اٹل ہے، آنکھیں
بند کرو اور دیکھو قبر کی ہولناک منزل موت کا خطرناک سماں، قیامت کا وحشتناک
میدان نظر آ جائے گا، موت پاس اور نتیجہ ظاہر قدرت والا مالک بازپرس کو تیار اور
ایک بندہ گنہگار مشرک و نابکار سرنگوں ماجرہ قیامت خیز وقت ہوگا۔ لو اس حاکم
کا سامنا جہاں پیر اور فقیر ولی اور پیمبر سب بے بس ہوں گے۔ اس عذاب سے جو سخت
ہے اس آگ سے جو تیز ہے اس غضب سے جو آگ ہے بچ توبہ کر پناہ مانگ۔

مسلمانوں پر تباہی کیوں آئی۔ اس تناور درخت کی طرح جس کو دیمک اندر ہی اندر
غارت کرتی ہے۔ رسوم کی پابندی نے ان کو کھوکھلا کر دیا جائدادیں اس کی بھینٹ
چڑھیں۔ تعلقے اس کی نذر ہوئے، رئیسوں کو بھیک اس نے منگوائی، امیروں کو فقیر اس
نے بنایا، نوکروں پر حکومت کرنے والے محض اس کے طفیل آج چلمیں بھر رہے ہیں اور
محلوں کی بیٹھنے والیاں اس کی بدولت جوتیاں چٹخاتی پھرتی ہیں، بڑے بڑے خاندان اچھے
اچھے گھرانے امیروں کے بچے وزیروں کی اولاد اسی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئی غضب
خدا کا آدھ گز کی بچی چھہ دن کی جان اور رسموں کی یہ شان کہ کنبہ بھر کا بلاوا اور آدھا شہر مہمان

ایک دو نہیں بیسیوں اور سینکڑوں عقیقے کئے بھی اور دیکھے بھی اور سنے بھی اور سنائے بھی
مگر دیکھنا نہ سنا اور خدا دکھائے نہ سنائے کہ لڑکی کا عقیقہ اور شادی کی یہ دھوم دھام
کہ صبح اور شام دونوں وقت اذن عام ہے مفت کی دولت ہاتھ لگی جتنے لٹانے لٹا لے کرو
تھوڑے جس وقت اور آفت سے پریشانی اور مصیبت سے بچ جائے اور جو تم نے اوف
کر دی مرنے والی نے بچائی اور چھوڑی وہ میراث جاتا ہے۔ اللہ اللہ کیسی شان کے
لوگ تھے تکلیفوں کو راحت اور روکھی روٹی کو امرت سمجھا مگر قرضخواہ کو دروازہ پر نہ آنے
دیا۔ یہ پھوٹی ہوئی آنکھیں وہ سماں دیکھ چکی ہیں۔ کہ پھول سے بچے اور معصوم مولوی زادیاں
فاقہ سے پڑیں۔ اور چودہ گھنٹے کی رات صاف گزر گئی۔ لیکن مکان پر آنچ نہ آنے دی۔
رحمان جوڑے پلی پلی شیطان لٹھائے گیا۔ تم نے باپ کی نصیحت اور ماں کی وصیت
خوب نباہی۔ انجام یہ زندگی ختم ہونے والی اور یہ وقت گزرنے والا یہ باتیں فنا ہونے والی
یہ دن ڈوبنے والے اور یہ راتیں سحر ہونے والی ہیں۔ اور درپیش ہے وہ سفر جس کی منزل
کڑی جس کا راستہ کٹھن جس کی راتیں لمبی جس کے دن پہاڑ جس کی شام طویل جس کا مقام
دور، ڈرو اور اس سے پہلے کہ کسی قابل ہو کر لو جو کر سکتے ہو اور کما لو جو کمانا ہے۔ یہ رسوم
کے بندھن یہ ریا کی سنتیں بربادی کے لچھن یہ عقیقے اور چالیسویں یہ چھٹی اور چلے وہ دیمک
اور ٹڈے ہیں جنہوں نے عظیم الشان محلسرائیں اور بڑی بڑی عمارتیں چشم زدن میں ڈھا دیں،
دیکھنے دکھانے کے لائق لوگ جن پر کنبہ فخر اور برادری ناز کرتی تھی۔ ان رسموں کے ہاتھوں
دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ گلشن اسلام ان سے آبیاری کا متوقع اور ان کے دست کرم
کا منتظر رہا۔ اور وہ آنکھوں کے اندھے ان چند دلوں لیے بیٹھے کہ جب چلے تو مرتے
وقت کوئی حلق میں پانی تک ٹپکانے والا میسر نہ ہوا۔ شریفوں کے بچے الف ب
سے آگے نہ بڑھے۔ اور امیروں کی پہچان علم و دانش کے نام کو ترسیں جہاں دولت
انبار لگے رہتے تھے وہاں تعلیم کے اخراجات بار ہو گئے۔ اور جہاں اقبال دست بستہ
حاضر تھا وہاں کتابوں کے دام وبال، آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ڈپٹی نصیر الدین کا حقیقی
پوتا جہاں باندھی [illegible] اور چھوٹی چھینی تھی جس نے بیٹے کے بیاہ پر دیگوں کے
[illegible] کھلوا کے تکیے میں تیر [illegible] کھود کر پیٹ بھر رہا ہے۔ کان سن رہے ہیں کہ [illegible]

بیٹی کی چھٹی میں سونے چاندی کی کھچڑی دی مکھیاں بھنکتا ہوا پیسہ کے شہد کو تڑپتا مر گیا۔
مگر واہ رے حمیت وغیرت اب بھی اثر نہیں ہوتا۔ یہ جائداد تمہاری ملکیت ضرور تھی۔ مگر
امانت تھی جن آنکھوں سے لی تھی اُن ہی آنکھوں سے لوٹا دیتے۔ آنے والے تمہارے لئے
چھوڑ گئے۔ تم اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاتے۔ زندگی تک کسی کے محتاج اور دست نگر نہ ہوتے
اور زندگی کے بعد اس طرح جاتے کہ اولاد دوسروں کا منہ نہ تکتی۔ مگر کھو چکے جو کھونا تھا۔ اور
گنوا چکے جو گنوانا، پیری سے گریز اور ہزاروں سے پرہیز کا وقت ابھی باقی ہے ایک تو یہ ہیں
بیڑا پار لیکن ساری جائداد کیا اگر ایسی ایسی چار زندگیاں بھی مل جائیں تو اب ہزار روپیہ بھی
جمع نہیں کر سکتے۔ تم نے بچوں کی حق تلفی کی، قوم کے حق مارے حق داروں پر ظلم کیا غریبوں
پر ستم کیا، ماشاء اللہ جوان ہو دنیا میں رہنا ہے باپ بننا دادا نانا ہونا بتاؤ کیسا زندگی
ہو گی جیو گے لیکن ذلیل رہو گے گو فقیر، عزت تم سے ہزاروں کوس دور رہے گی، اور چیرم
تم سے لاکھوں میل پرے وقعت جو اس گھر کی چیری اور اس خاندان کی باندی تھی آکر بھی نہ
پھٹکے گی۔ اور اور جس پر انسانی زندگی کا حصر ہے۔ بھول کر بھی نہ جھانکے گا۔ دن بھر قرضخواہوں
کی چیخ پکار ہو گی۔ کوئی کرایہ مانگے گا۔ کوئی سود کوئی اصل کا خواستگار ہو گا، کوئی حساب
کا طلبگار، ایک نہیں دونوں میاں بیوی اس کے ذمہ دار ہو۔ بنا بنایا گھر جھنڈی جڑائی
جائداد ہلدی لگی نہ پھٹکری اس لئے ہاتھ نہ آئی تھی کہ تنگدلی سے پامال اور بیدردی سے
برباد کرو۔ خیر سمجھتے ہو جو کیا اور دیکھتے ہو جو کر رہے ہو، اس کو اس کی غرض اس تمہید کا مقصد
اس مبتدا کی خبر اس ابتدا کی انتہا یہ ہے باپ کا بچہ دلداری کی یادگار عرفانی کی نشانی
بھائی اسلام کا نام مظلوم حسن امام ہے جو تمہارے ظلم کا شکار اور تمہارے ستم کا نشانہ ہوا
اس سے بڑھکر مظلوم اس سے زیادہ معصوم کون ہو گا جس کو آنکھ کھولکر ماں کی صورت اور
باپ کا چہرہ دونوں دیکھنے نصیب نہ ہوئے، قدرت نے ماں کی آغوش محبت اور باپ کے دست
شفقت دونوں سے محروم کر دیا۔ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ ہر ماں اس کی ماں اور ہر باپ اس کا باپ
ہو۔ مائیں جب ماتا کے جوش میں کلیجہ کے ٹکڑوں کو لپٹ لپٹ کر دودھ پلاتیں، باپ جب محبت
بھری نظروں اور شفقت بھری آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھتے تو بھولا بسرا خیال اچٹتی ہوئی
نگاہ اس پر بھی پڑ جاتی اعزہ اس کو چھاتی سے مائیں اس کو کلیجہ سے اور باپ اس کو گلے سے لگاتے

یہ ایک ماکے بدلے سینکڑوں اور ایک باپ کھو کر بیسیوں باپ پاتا۔ ماکی صدا اس کے کان میں ہر گھر سے اور باپ کی آواز چپہ چپہ سے آتی، مذہب اگر کوئی چیز ہے قیاس اگر کوئی وقعت رکھتا ہے عقل کے اگر کچھ معنی ہیں تو یہ بدنصیب جو آج آٹھ روز سے خدائی خوار پھر رہا ہے۔ تمہاری کمائی میں حقدار ہے۔ اس کی بدنصیب ما جو بیس گھنٹہ میں جھٹ پٹ ہوگئی۔ وہ جوان شیرنی جو ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا سے اٹھ گئی۔ وہ ہری کونپل جو پھولنے سے پہلے اجڑ گئی۔ ازلی بدنصیب تھی جس کی تقدیر میں اس لال کی بہار بھی نہ تھی۔ اس نے جوڑ جوڑ کر اور سینت سینت کر ڈیڑھ ہزار روپیہ جمع کیا۔ اور یہ سمجھ کر کہ تم ایماندار ہو وارث ہو۔ بھائی ہو امین بنایا۔ اپنی امانت تمہارے سپرد کی۔ اس کا شاہد میں موجود ہوں۔ یہ طالب علم طالب حدیث ہے۔ اس کی آہ کلیجہ توڑنے اور فریاد عرش کا کنگورا ہلانے والی ہے تباہ ہو جاؤ گے برباد ہو جاؤ گے۔ اس کی اعانت نہ کرو۔ رفاقت نہ سہی مگر خدا کا واسطہ اسکی امانت دیدو، یہ مال ہضم اور یہ روپیہ پچنے والا نہیں، محنت کا جوڑا اور مصیبت کا جمع کیا ہوا ہے سلائیاں سی کر اور پیاٹیاں پیس کر مصیبتیں اٹھا کر اور تکلیفیں بھگت کر فاقے سہکر اور چیتھڑے لگا کر بچایا ہے اور اس دن کو کہ اس کمبخت کے کام آئے۔ تمہارے غضب بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تم اپنی رسموں میں فضول خرچیوں میں عقیقے پھولوں میں چھ ہزار سے زیادہ روپیہ کھو چکے لیکن اس کی امانت ہضم کرتے ہوئے ایک دلداری کی روح نہیں عالم بالا کی بہت سی روحیں تمہارے ظلم اور اس کے صبر تمہارے ستم اور اس کے شکر کو دیکھ رہی ہیں، بن ماکا بچہ اور بن باپ کا لال تمہارے ظلم سے پامال ہو کر حسرت سے تمہارا منہ تک رہا ہے۔ اسکی آنکھ میں آنسو ہیں، اس کے دل میں درد ہے۔ اس کے لب پر آہ ہے، اس کے آنسو کا ہر قطرہ اس کے درد کی ہر ہوک اس کی آہ کا ہر حصہ خاک سیاہ کر دے گا۔ حاجرہ ان حرکتوں سے باز آ، موت قریب ہے، زندگی ختم ہونے والی اور تعلق چھوٹنے والے ہیں، دور نہیں ہے وہ وقت جب دنیا تجھ جیسی مشرک اور ظالم عورت پر لعنت بھیجے۔ تیرا اعمالنامہ سیاہ تیری زندگی برباد اور تیری عمر ظلموں سے لبریز ہوگی۔ ڈر خدا سے اور اس وقت کو دور نہ سمجھ جب زبان بند ہاتھ پاؤں ساکت اور جسم بے جان ہوگا آنکھ اٹھا اور دیکھ اس مظلوم کی آنکھیں کیا کہہ رہی ہیں یہ آنسو پھول کے رخساروں پر نہیں فرشتوں کی گود میں ہیں۔ کھڑی ہو جا حاجرہ یتیم

کو کلیجے سے لگائے۔ اس کی امانت دیدے یہ ٹوٹا ہوا دل جڑ کر کھلا یا ہوا چہرہ کھل کر روتی ہوئی
آنکھیں ہنس کر تیری ہاجرہ تیری دین اور دنیا دونوں کو درست کر دیں گے۔

(۱۰)

چالیسویں کو دو مہینے سے زیادہ گزر گئے۔ اور گو بظاہر ان رسموں کا سلسلہ بڑے زور شور
سے جاری تھا۔ مگر اقبال گزشتہ کے اثرات روز بروز انعام کے دل کو پا رہے تھے
دیکھتا تھا کہ بیوی کے ایک ہی چکر میں اور ناعاقبت اندیشی کے مختصر سے دور میں سب
کچھ کھو بیٹھا۔ اور تمام اثاثہ خانے لگ گیا۔ چاہتا تھا کہ چھٹی کا باقی زمانہ کسی طرح جلد ہی ختم ہو جائے
اور یہ دن ہوا کی طرح کٹ جائیں، تو ان جھگڑوں سے بچ اور مصیبتوں سے نکل کر راحت
پاؤں اور پھر پلٹ کر گھر کا رخ نہ کروں۔ مگر اس تاریکی میں کبھی کبھی روشنی کی ایک ہلکی سی جھلک
بھی نظر آجاتی تھی جو تمام افکار کو راحت اور آلام کو فرحت بنا دیتی تھی۔ یہ ساس کے الفاظ
تھے جو ہر لمحہ تو نہیں مگر دن میں دو تین مرتبہ اس طرح کانوں میں گونج جاتے تھے۔ اب
کے تو سات دودھوں دھویا بیٹا ہے، وہ اکثر قرضہ کے بارے پریشان ہوتا۔ ادائیگی
کے خلجان میں پریشان ہوتا۔ ساس کی توقع اور توقع بھی بدرجہ کامل جو یقین سے کم نہ تھا سب
افکار اور سوچ بچار کو زائل کر دیتی، اس وقت انعام پر دو متضاد حالتیں طاری تھیں گھنٹوں
ایک خیال میں مستغرق خاموش پڑا رہتا۔ مگر جہاں بیٹے کی پیدائش کا خیال آیا اور وہ رنج
و ملال رفع ہوا۔ ہاجرہ اس کے گھر تیتر یا بٹیر باندھوں یا بھیڑ پور سے۔ ان میں جو کچھ بھی نہ کرتیں
ٹھنڈ پہلے تو تھی نہیں اور بی پوپی اب ہوئی سو سے دو فی فضول باتیں جائز اور درست
تھا خیال یہ تھا کہ ہاجرہ اور اس کی ماں کی عقل پر تو پتھر پڑے ہی تھے۔ مگر انعام کمبخت
اتنا کچھ کھو کر شاید اب عقل پکڑے۔ مگر تو بہ کوئی رسم ایسی نہ تھی جو نہ ہوئی۔ اور کوئی شرک
ایسا نہ تھا جو رہ گیا۔ وہی انگوٹھے اور ٹوٹکے گنڈے اور فلیتے پیر جی کا علاج بدستور
تھا۔ انعام سے تو آگے چاہے دال یا روکھی روٹی آجاتی۔ مگر ان کے تیتر پلتے اور چک
بچک سالن میں فرق نہ آسکتا تھا۔ جو اللہ کی بندی اکیلے دم پر سو روپیہ اٹھا رہی تھی جہیز
ہو بیٹھی تھی۔ اول تو وہ جیا اور پھر تنخواہ رہ گئی آدھی جس قدر بھی پریشانی کا اظہار کرتی۔ بچی
تھی ہمت پڑی ہوئی دل کھلا ہوا نہ زیور ختم جائداد ختم پچاس روپیہ تھے کس گنتی میں

مشکل سے آٹھ دس روز چلتے ہوں گے، باقی سارا مہینہ کٹنا چاہئے تھا اور کٹتا مگر اس طرح
کہ آج انگوٹھی گئی تو کل چھلا، پرسوں حلوائی نے کام نکالا، اترسوں بلّا نے ایسے گھر میں
برکت کیا خاک ہوتی، اور رونق کیا۔ پہروں بھر خاک اڑتی تھی، گھر میں خاک کے تودے
تھے باہر قرض کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ دس دس پانچ پانچ روپیہ کے واسطے انعام دن
دن بھر گڑ گڑیاں کھاتا اور کوئی پیچھے پر ہاتھ نہ دھرتا، بسا اوقات ایسا ہوا کہ دن بھر کا بھوکا پیاسا
چاروں طرف کا تھکا ہارا شام کو کرتا آیا، اور باہر مردانہ ہی میں اول تو وہ مردانہ ہی کیا خاک رہ
گیا تھا۔ ٹوٹے ہوئے تخت پر ایک آدھ دری اور برابر میں جھلنگا کھٹولا پڑا رہا۔ اور اپنی حالت
پر غور کرنے لگا، ایک دن کا ذکر ہے کہ اسی طرح پھرتا پھراتا ناکام و نامراد ایک چوہا تکیہ سرہانے
رکھے لیٹا ہوا تھا کہ سامنے سے بلّا نے آکر سلام کیا۔ بلّا کی صورت اب انعام کو ملک الموت
سے کم نہ تھی۔ سود کے تین مہینے چڑھ چکے تھے، چوتھا ختم کے قریب تھا سو روپیہ کی رقم بھلا
انعام اب کیا خاک ادا کرتے یا کر سکتے۔ زچہ خانہ کے خرچ کی فکر میں چاروں طرف مارے
مارے پھر رہے تھے، صورت دیکھتے ہی سہم گیا، اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے جان نکل
گئی، اٹھ کر بیٹھا اور کہنے لگا تشریف لائیے۔

بلّا۔ کیا خاک تشریف لائیں۔ اگر یہ ایسے معاملے پانچ چار اور ہو جائیں تو ہماری
زندگی ختم ہو جائے۔

انعام۔ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی میں سخت نادم ہوں۔ مگر ایمان سے کہتا
ہوں اسی فکر میں دن رات رہتا ہوں۔ کہ خدا آپ سے سرخرو کر دے۔

بلّا۔ اجی تکلیف وکلیف کو چھوڑیئے، آپ نادم ہوں یا خادم۔ روپیہ کا کام تو روپیہ ہی
چلتا ہے کہیں باتوں سے تھوڑی ہی نکلتا ہے اور فکر کیا خاک کیجئے گا۔ کون ایسا بیٹھا ہے جو
ڈیڑھ سو روپیہ ہاتھ پاؤں پر دیدیگا۔ تنخواہ میں پوری پڑتی نہیں، زیور بچے رہا نہیں آخر میاں بھی تو سنو
کہاں سے ادا کرو گے،

انعام دیکھیئے اللہ مالک ہے اس میں کچھ نہ کچھ ہو جائیگا۔ آپ کی رقم انشاءاللہ پہنچ
جاوے گی۔ پندرہ دن کی مہلت اور دیجئے۔

بلّا۔ پندرہ دن تو میں قریب دو مہینہ سے دیکھ رہا ہوں میں تو اب پندرہ منٹ بھی نہیں

ٹھہر سکتا۔ اس وقت لیکر جاؤں گا، وہ تو کل دعوے دائر کر رہا تھا۔ میں نے کچہری جاتے کو روکا ہے کہ کل نہ آئیں تو شوق سے دعوے دائر کر دینا، ساتھ ہی وہ کچی قرقی کی فکر میں ہے۔ اچھی طرح کان کھول لیجئے، کبھی پھر کہیئے کہ میری عزت گئی اور آبرو گئی۔

انعام۔ آپ کے احسان مجھ پر اتنے ہیں کہ میں اُن کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، آپ نے اگر سچ پوچھئے تو عزیزوں کو بھلا دیا مگر اب اتنی مہربانی اور کیجئے کہ کسی طرح پندرہ روز اس کو اور ٹھہرا لیجئے۔

بلا۔ میں تو پندرہ روز چھوڑ مہینہ بھر ٹھہرا لیتا مگر وہ مانے بھی اور پھر نقصان بھی تو آپ ہی کا ہے۔ دھارہ خلافی لکھی ہوئی ہے۔ تین مہینے گزر گئے روپیہ کا ڈیڑھ روپیہ تو اب ہو گیا تیرہ دن بعد سود در سود ہو جائے گا۔

انعام۔ خیر آپ اس کا فکر نہ کیجئے کسی طرح اس کو پندرہ روز اور ٹال دیجئے۔ میں اس کے الگ ہی کرنے کی فکر میں ہوں۔

بلا۔ آپ تو بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ ہم نے شروع ہی میں سمجھایا تھا۔ کہ میاں جب سے محصول لگا ہے جائداد کی قیمت مر گئی۔ اونے پونے الگ کرو۔ سود کے چکر میں نہ پڑو مگر تمہاری سمجھ میں نہ آئی۔ اور لیوے ہی گا کون کاغذات سب ہمارے پاس ہیں فکر ہی آپ کیا کر رہے ہیں۔ اب بھی الگ کر دو گے تو دس پانچ چھڑ جائیں گے۔ اور رہو ایک ششماہی یوں ہی سو گئے تو گرہ سے دے کر بھی پیچھا نہ چھوٹے گا۔

انعام۔ میں تو موجود ہوں آپ اس کام کو کر دیجئے تو بہت خوش ہوں۔

بلا۔ آپ جانتے ہیں میں اپنی طرف سے آپ کی خدمت سے باہر نہیں مگر مال زیادہ کا نہیں دیکھئے کوشش کروں گا۔

انعام۔ جب الگ ہی کرنا ٹھہرا تو پھر دیر کا ہے کی مجھے جلدی ضرورت ہے۔

بلا۔ آپ بھی کیا مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ بچت ہی کونسی نوے ٹکے کی ہے کہ ضرورت اس سے پوری ہو گی، کوئی ایسا ہی گانٹھ کا پورا اور بھولا کا اندھا مل گیا تو دے مچھوں گا غضب تم نے یہ کیا کہ شروع ہی میں پوری رقم لے بیٹھے، مسلمان کی جائداد مسلمانوں کے محلہ میں، ہندو کو غرض کیا کہ اپنا بازار اپنا محلہ چھوڑ پرے محلے سودا کرے لنگڑے

نواب کو تم جانتے ہو۔ حسنو والی دکانیں اور ادھر کا کوٹھا الگ کرنے کی فکر میں ہیں۔ سات ہزار کی خرید ہے۔ پانچ ہزار تک دینے کو طیار ہیں۔ مگر گاہک نہیں جڑتا۔ لاؤ تم بیعانہ دو کل ہی معاملہ ہوتا ہے۔

کہانی بڑی ہے اور وقت تھوڑا۔ مختصر یہ کہ ابا نے تین سو روپیہ انعام کو اور بیڑا لے اور مکان قبضہ میں کیا۔ پندرہ روپیہ ماہوار کا سرخط لکھ اب انعام کرایہ دار کی حیثیت سے گھر میں رہنے لگے۔ اس واقعہ کو تیسرا روز تھا۔ کہ آدھی رات کے وقت گھر میں غل غپاڑہ مچا۔ اور صبح صادق کے وقت انعام ایک اور لڑکی کے باپ بن گئے۔ گمان غالب تھا کہ توقعات سے ناامید اور اس لوسے مایوس ہو کر جو سینے سے لگائے بیٹھے تھے انعام شاید وہ راست پر آجائے۔ اور بچہ نے کہ ولادت جو بجائے خود ایک مصیبت اور بسا اوقات والدین کے لئے بھی آفت ثابت ہوتی ہے۔ قدرت کی ضرورت اور فطرت کا تقاضا ہے۔ مگر وہ کمبخت تو کچھ ایسا ہاتھ دھو کر عقل کے پیچھے پڑا تھا کہ انسانیت اس سے ہزاروں کوس دور تھی۔ ساس کے اس ہی ایک فقرے نے کہ بیٹی تو پیغمبر کا سلام ہے۔ اللہ کا شکر ہے میری بچی کی جان بچ گئی۔ افسردگی کو راحت سے بدل دیا۔ اب اس کی دنیا اور زندگی صرف ایک بچی اور بیوی کی ہستی میں محدود تھی۔

(۱۱)

لڑکی اول تو یوں ہی ماں باپ سے چہیتی والی ذات ہے، اور پھر انعام کی بچی ناصرہ تو کچھ ایسی بلا کی طبیعت اور غضب کا ذہن لائی تھی، کہ دس مہینہ کی جان گھسٹتی گھسٹاتی لڑکتی لڑھکاتی آئی۔ باپ کی چہیتی کچھ کھڑی ہو گئی، انعام اول تو سیدھے سادھے دوسرے ناصرہ کلیجہ کا ٹکڑا تیسرے اس بچی کے تعلق کا یہ حال کہ دم بھر باپ کو نہ دیکھے تو سارا گھر سر پر اٹھالے جس قدر دیوانے ہوتے بچے تھے، لوبت یہاں تک پہنچی کہ بازار کو بھی جاتا تو بچی کا پچھلا دم کے ساتھ ہوتا۔ یہ ماجرہ کی کھلی ہوئی ساد آتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر اور دیکھ بھال کر شہ دیکر اور موقع نکال کر بچی کو اتنا مائل کیا۔ کہ وہ باپ کے آگے ماں کو بھی بھول گئی۔ وہ صرف دودھ کی محتاج تو ماں کی ضرور رہ گئی ورنہ ماں تھی تو باپ اور باپ تھا تو باپ چھٹی ختم کے قریب تھی اور دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ باپ کا ہجر کا ناصرہ کو ادھ موا کر دے گا مگر

انجام کا سوچ ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی، ہاں ایک بات بیوی کے دل میں جم گئی۔ اور وہ یہ کہ لڑکی کا دودھ باپ کے سامنے چھٹوا دوں تاکہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے ہی ہو جائے مگر وہ ہوتا کیا اور کرتا کون۔ میاں کے پتے اب رکھا ہی کیا تھا کہ شادی رچتی اور دودھ چھٹتا۔ سود کے جھگڑے سے چھوٹے تو کرایہ کی مصیبت آئی۔ رقم کا دینا تو آخر دینا ہی تھا۔ سود کے نام سے نہیں کرایہ کے نام سے ناک ادھر سے نہ پکڑی ادھر سے پکڑلی، آنکھ بند کر کے چار پانچ مہینے کرایہ کے چڑھ گئے۔ مکان دار ہر وقت کے حیلے حوالے اور ہر دن رات کے قصے قضیئے کہاں تک سنتا نالش کردی ستر اسی روپیہ کی رقم اب بھی ایسی نہ تھی کہ انعام ادا نہ کر سکتا لاکھ بگڑ چکا تھا اور دنیا بیا گھر خاک میں مل چکا تھا پھر بھی بڑوں کا نام لیوا اب بھی سوا لاکھ ٹکے کا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ قرضہ کی کوئی حد نہ خرچ کی کوئی انتہا قرضخواہوں کی تو بھیڑ چال تھی ایک نالش دیکھ سب کے کان کھڑے ہو گئے اور تقاضوں کی بھرمار شروع کردی انعام کی زندگی کا یہ دور بھی عجیب مصیبت ناک تھا صبح کا نکلا کہیں دوپہر تیسرے پہر کو آکر پڑ رہتا، کھانا برائے نام رہ گیا۔ وہی انعام جو باپ کی زندگی اور ماں کے سامنے بچا آدھ سیر گوشت اس طرح چٹ کرجاتا کہ تشتری کی ریخیں تک صاف نظر آتیں، الٹے سیدھے پانچ چھ نوالے ٹال الٰہی تیرا شکر کہدیتا۔ جوانی ڈھل چکی تھی عمر روبہ انحطاط ادھر پاؤں میں سکت رہا نہیں چند ہی روز میں برسوں کا بیمار معلوم ہونے لگا۔ بچی کو کلیجہ سے لگائے مردانہ میں کھرے کھٹولے پر دری نہ تکیہ آنکھیں بند کیے پڑا سوچ رہا ہے چاروں طرف نظر دوڑاتا تھا مگر کوئی صورت ادائگی کی نظر نہ آتی تھی جوا کھیلا نہ تھا چوری آتی نہ تھی ڈاکہ کے قابل نہ تھا۔ بھیک البتہ ایسی چیز تھی جو کبھی سو لویت کی آڑ میں کبھی علمیت کی اوٹ میں تھوڑی بہت تسکین دیتی تھی۔ گھر میں آنا جانا بھی رسمی رہ گیا تھا۔ دن کو جوگیوں کی طرح گیا ایک پھیری ماری اور چلا آیا، رات کو چوٹوں کی طرح آیا اور پڑ رہا۔ قرضخواہوں کا سہم اتنا چڑھ گیا تھا۔ کہ مردانہ میں بھی لیٹتا تو اندر سے کنڈی لگا کر حالت کا یہ تغیر مصائب کی یہ انتہا ادبار کی یہ کثرت دونوں ہی کے سامنے تھی اور دونوں متعلق بھی تھے اور سچ پوچھو تو اصل گنہگار بیوی ہی تھی جس نے اپنی بدکرداریوں سے میاں کو یہ دن دکھایا لیکن اسکی جہالت اس درجہ ترقی کر گئی تھی کہ اول تو وہ کسی کو قصور وار سمجھتی ہی نہ تھی۔ اور صرف تقدیر کو اس انقلاب کا ذمہ دار کہتی تھی۔ اور اگر کبھی ایسا ٹیڑھا موقع آ جاتا اور گفتگو میں اتنی دب

جانتی کہ اقرار کرنا ہی پڑتا تو سارا بار میاں کے سر تھوپ دیتی، دن گزرے جاتے تھے اور جانے کے خیال سے انعام کا خون خشک ہو رہا تھا، ارادہ کیا کہ بیوی کو ساتھ لے لوں مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر کچھ ہوا بنا ہی ہے یہ بنا ہوا تو چار دن میں قرضخواہ آفت مچا دیں گے۔ نہ معلوم قرقی آ جائے۔ گرفتاری ہو کیا ہو کیا نہ ہو اب خیال آیا کہ بچی تو دو ہی دن میں سر پٹک پٹک کر مر جائے گی، دم بھر کو باہر جاتا ہوں تو چیخم دھاڑ مچا دیتی ہے۔ مگر اب خیال کس کام کا پچھتانا بے سود اور سیچ بے کار نوکری چھوڑ نہ سکتا تھا۔ بیوی ساتھ جا نہ سکتی تھی ہر وقت یہی فکر سوار اور اسی ادھیڑ بن میں گرفتار تھا۔ مگر صد آفرین ہاجرہ کو کہ کبھی آئندہ کا فکر بھولکر بھی تو اس کے پاس آ کر نہ پھٹکا۔ اس کو تو وہی دودھ چھٹنے کی رٹ اور شادی کا وظیفہ تھا۔ جانتی تھی کہ قرضہ کی تھاتی کی تھاتی چڑھی ہوئی ہے۔ جائداد کو پہلے ہی آگ لگ چکی تھی، اسباب یوں خاک میں ملا۔ ہاں ملا کی دوڑ مسجد بٹھو مس کڑے ہاتھ میں موجود ہیں۔ اب یہ بڑوں کی یادگار وقت بے وقت کا اثاثہ جو چاہے سمجھ لو۔ مگر وہ تو اپنی دھن کے آگے ہر بات کو ہیچ سمجھتی تھی۔ دو چار دفعہ میاں کے منہ پر کہا اور کہا سُنا۔ مگر جب دیکھا کہ وہ صاف ٹال گیا۔ اس کان سُنا اور اس کان اڑا دیا تو بھر گئی شام کے وقت ایک روز ادھر تو انعام کھانا کھا کر اٹھا ادھر اُس نے اپنی کتھا کہنی شروع کی۔

دودھ تو آخر چھٹنا ہی ہے۔ تمہارے سامنے چھٹ جاتا تو اچھا تھا، دیکھ رہے ہو کیسی ضدن لڑکی ہے۔ میرا تو دم ناک میں کر دے گی، ادھر تمہارا ٹہرکا ادھر دودھ کا تم ہو گئے تو پھر بہت کچھ بہل جائیگی نہیں تو یونہی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ میرے ساتھ کیا یہ تو اس معصوم کے ساتھ دشمنی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک پیسہ کی افیم لا دو۔

میاں میں نے کب منع کیا ہے۔ ابھی بسم اللہ کرو دودھ چھڑانے میں کیا ہاتھی گھوڑے لگتے ہیں مگر تم تو کھوح کی سی شرطیں کرتی ہو، پیسہ پاس ہو تو اولاد سے زیادہ کیا ہے۔ تمہارے نزدیک لڑکی پیغمبر کا سلام ہے مگر میرے واسطے تو موت کا پیغام ہوئی اور کوئی دن کی ہوا کھا رہا ہوں پھر چاہے جتنی شادیاں رچا لینا، روپیہ پاس نہیں قرض ملتا نہیں، ہاں چوری رکھی کوئی جگہ بتا دو جا کر چرا لاؤں گا۔

بیوی تم کیوں مرنے لگے، خدا مجھ ہی کو موت دے کہ جو اس عذاب سے چھوٹوں، لوگوں کے ہاں آٹھ آٹھ دس دس بچے ہوتے ہیں، اور دنیا ان کی بہار دیکھتی ہے۔ میرے یہاں ایک پھونسڑا ہوئی ہے اس کو دن رات تم گٹ رہے ہو۔ میں تم سے تو کچھ مانگتی نہیں مگر اس ظلم کی بھی کوئی حد ہے کہ اپنے پاس سے کچھ نہ کروں، میرے دل میں تو ارمان ہے میں تو پورا کروں ہی گی۔

میاں تم شوق سے کرو میں منع نہیں کرتا مگر کڑوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا ابھی تو میرا جانا ہی سر پر ہے کم سے کم پچاس روپیہ تو مجھے ہی چاہئیں۔ اس کے علاوہ ایک چیز رکھی ہے نہ معلوم کیا وقت ہے کیا نہیں، سائیں کے سو کھیل ہیں۔

بیوی۔ تم کڑوں کے مالک کہاں سے ہو گئے، میری چیز ہے جو چاہے کروں تمہارے بچے کو تو دے دوں اور بچی کا دودھ خالی خولی چھٹا دوں، کبھی رہیں نہ مرنڈے، خاک میں ملا دو ان کڑوں کو صدقے کر کے پھینک دوں اپنی بچی پر سے،

میاں تم تو لغو باتیں کرتی ہو نوبت یہاں تک پہنچا دی اور جو کچھ کرنا ہے کر کرا کر الگ کرو، جیلخانہ جانا باقی ہے پہنچوا دو۔

بیوی۔ جب میں دشمن ہوں تو میرا منہ کالا کرو۔ اب میرا یہاں کیا کام مگر شرافت کے معنی یہ ہیں کہ اب میری طرف رُخ نہ کرنا۔

میاں شرافت اور رذالت کا ذکر نہیں ہے۔ میں نے ایک معقول بات کہی تم گھر سے نکلنے کو تیار ہو گئیں ہو تو اولاد سے زیادہ کیا ہے صدقہ کیا جب تک تھا میں نے کبھی منہ نہ موڑا۔ کیا نہ کیا چلے عقیقے چالیسواں چھوچھک کون سی رسم ناغہ کی اب نہیں ہے تو کیا کروں۔ ہاں کڑے تو میں قیامت تک نہ بکنے دوں گا۔

بیوی تم ہو کون جو نہ بکنے دو گے میری چیز میرا مال بکے خواہ نہ بکے میں بیچ بازار بیچوں دکھا دکھا کر بیچوں جلا جلا کر بیچوں مجھے تو کڑے اپنی بچی سے زیادہ نہیں۔

میاں۔ تمہاری ہستی کیا ہے کہ تم بیچ سکو۔ جہاں تک دب رہا ہوں سر پر چڑھی چلی جاتی ہو، خبردار جو زیادہ ٹیں ٹیں کی کمبخت نے بھیک کا پیالہ میرے ہاتھ میں دے دیا اور ابھی صبر نہیں ہے شریف ہوتی تو احسان مانتی رذیل تھی ذلیلوں کی ذلیل،

بیوی بس سنہ سنبھال کر بولو رذیل ہو گئے تم۔ اب میرے باوا دادا کو کہا تو خون پانی ایک کر دوں گی۔ تم اپنا گھر لئے بیٹھے رہو میں غارت ہوتی ہوں اور دکھا دونگی کہ ذلیل ہوں کہ شریف، انعام بیٹھا سنہ دیکھتا رہ گیا اور بیوی ڈولی منگو بچی کو گود میں لے یہ جا وہ جا۔

(۱۳)

تین بجے دن کے یہ واقعہ ہوا پانچ بجے کڑے بکے چھ بجے بلاوے پھرے اور سات بجے دودھ چھٹ گیا چٹ منگنی پٹ بیاہ تھا کہ ڈھائی تین گھنٹے میں سب مرحلے طے ہو گئے۔ ہاجرہ ڈولی میں بیٹھی تھی تو یہ سمجھ کر کہ انعام مجھ سے پہلے سسرال پہنچے گا، مگر مرد تھا اور مرد بھی افلاس میں ڈوبا مصیبت میں پھنسا۔ بچی کے بلکنے کا خیال آیا۔ تڑپا تو بہت مگر پھر یہ سوچا کہ آخر یہ دن تو آنا ہی ہے۔ کیوں بات بھی کھوئی۔ رات جس طرح ہو کاٹ دوں صبح دیکھی جائیگی، لیکن صبح پوری ہوئی بھی نہ تھی کہ کہار بریانی زردہ کے خوان لے کر پہنچا، اور کہا آپ کی اماں جان نے حصہ بھیجا ہے، دودھ چھٹ گیا۔ سنتے ہی آگ لگ گئی چھٹی میں ابھی پانچ چھ روز باقی تھے مگر ایسا غصہ چڑھا کہ بنئے سے پندرہ روپیہ لے گھر کو قفل لگا نوکری پر روانہ ہو گیا۔

بچی ادھر تو چھٹا دودھ اُدھر جدا ہوا باپ رات تو خیر جوں توں گزر گئی، مگر مہمانوں کی رخصت سے پہلے ہی جو اس نے بلکنا شروع کیا تو کھڑے چین تھا نہ بیٹھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے وہ ہچکنیاں کھائی ہیں کہ الاماں، دالان بھر میں لوٹیں لگاتی پھرتی تھی۔ بہتیرا اماں اور نانی چمکارتیں اور لیتی تھیں، مگر گود میں آنا تو درکنار اس نے قلابازیوں کا وہ تار لگایا کہ کسی طرح قبضہ ہی میں نہ آتی تھی، ہاجرہ کے پاس لے دیکر دو علاج تھے کنڈیاں کھٹکھٹانی اور پٹاری بجانی مگر ڈیڑھ پونے دو برس کی بچی ان جھکموں میں کیا آتی، دوپہر تک یہی فیل مچائے ایک بجے کے قریب ہلکان ہو کر پڑی تو آنکھ لگ گئی لوگ جا چکے تھے۔ ہاجرہ بھی رات بھر کی تھکی ہاری تھی، برابر میں لیٹ گئی ہاتھ رکھتی ہے تو بچی کا پنڈا بھاڑ بھن رہا تھا۔ جان نکل گئی، بیرجی کو بلایا سولہ سترہ روپیہ باقی بچے تھے، وہ ان کی نذر ہوئے، بچی نے آنکھ کھولی تو دودھ کا ذکر تھا نہ بخار کا ایک اّبا کا لفظ تھا جس کی تسبیح پڑھ رہی تھی۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتی، اور پھر بخار کے غوطہ میں پڑ جاتی، بخار اور بخار کے

ساتھ بیہوشی لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہی تھی، پسینے کے ریلے پڑ گئے، تین سال کی محنت اور دو سال
کی پلی پلائی بچی ہاتھوں میں تھی۔ اب البتہ ہاجرہ کی آنکھیں کھلیں، مامتا کے جوش میں اس
کے منہ پر منہ رکھتی، اور ہشیار کرتی، مگر اس بلا کی بیہوشی تھی کہ بچی آنکھ ہی نہ کھولتی۔ کبھی کہتی
بے چل ڈولی آئی گھر چلیں۔ کبھی کہتی بے ناصرہ ابا آئے، مگر آہ بیکار اور ڈولی بیسود دیکھ
کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا اس نے صاف کہہ دیا بخار بہت تیز ہے سرسام کا اندیشہ ہے
دوا دو اللہ آرام دیگا، اتنا سنتے ہی ہاجرہ بیتاب ہو گئی، ڈاکٹر کا جانا تھا کہ بچی سے لپٹ
گئی، اور ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری ہائے میرے اللہ کیا کروں۔ بخار کو جنبش تھی نہ بیہوشی
میں فرق، دیوانوں کی طرح سارے گھر میں پھیر پھیر آ کر آتی۔ اور اس کا منہ تکتی تلوؤں سے
آنکھیں ملتی، قربان ہوتی، نثار ہوتی، ہاتھ پھیرتی، گلے میں بانہیں ڈالتی، مگر بیہوشی کا یہ عالم
تھا کہ بچی کو آنکھ کھولنی قسم ہو گئی۔ اسی حالت میں ڈولی منگوا بچی کو گود میں لے گھر چلی پیٹتی
پیٹتی اتری اور روتی ہوئی گھر پہنچی تو قفل پڑا ہوا تھا۔ محلہ والوں سے معلوم ہوا کہ میاں گئے
یہ اور بھی زبردست چرکا لگا تقدیر کو پھوڑتی اور قسمت کو پیٹتی پھر میکے لوٹی، بچی کیا
گود میں ایک مردہ تھا، جس میں سانس کے سوا کوئی حرکت ہی نہ تھی، جھنجھوڑتی تھی۔
جگاتی تھی، پیار کرتی تھی۔ چمکارتی تھی اور سب طرف سے مایوس ہو کر پڑ جاتی تھی لیٹے
لیٹے پھر ہوک اٹھتی، جوش آتا جاتی دوڑے دیکھتی، کلیجے میں گھونسے لگتے۔ آنکھوں میں
اندھیرا آتا باہر آتی آسمان کو دیکھتی، اور پھر الٹے پیروں پلٹ کر چلی جاتی۔ دل بجھ گیا تھا آنسو خشک
ہو چکے تھے۔ سرہانے آ کر بیٹھ گئی۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی، دفعتہً خیال آیا کہ میری جان
تھوڑی دیر کی اور مہمان ہے خفا ہے اس لیے کہ میں نے دودھ عزیز کیا، جھک گئی پیار کیا
اور کہا ننھی سی بیگم دودھ اور میں قربان تیرے دودھ اللہ تجھے نصیب کرے غلطی ہوئی قصور
ہوا معاف کر لے دودھ پی۔ دیوانگی کی حالت یہ تھی کہ دودھ کھول کر بچی کے منہ میں دینا چاہا
مگر یہ جو کچھ تھا سب فضول اور بیکار بچی کو خبر بھی نہ تھی۔ تھوڑی دیر پاس لیٹی رہی۔ پھر مامتا
نے جوش کیا اٹھی دیکھا بیہوش پڑی ہے سر پر ہاتھ پھیرا، ٹھنڈا سانس لیا، بیٹھی اٹھی، کھڑی
ہوئی آنکھ سے چہرہ دیکھا ماتھے سے پسینہ پونچھا دیکھا بیہوشی بدستور بخار اسی طرح، ایک آہ کی اور
سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ اور اس ڈھنڈار گھر میں ایک ما

اپنی بچی کے آخری سانس گن رہی تھی، موت چیل کی طرح سر پر منڈلا رہی تھی۔ اور قریب
آگیا تھا وہ وقت کہ ناصرہ کی بھری گود خالی ہو جائے، ایک بچی کی موت دیکھ چکی تھی تھوڑا
بہت تجربہ بھی تھا، جب امید قطعاً منقطع ہو گئی، اور دل نے اندر سے صدا دی کہ جس
پھول کے ساتھ زندگی کی تمام بہاریں وابستہ تھیں، وہ اب مرجھاتا ہے، اس ہرے
بھرے باغیچہ میں جہاں بیفکری کے سرسبز و شاداب پودے مہک رہے تھے، موت
پیغام خزاں لے آئی، گھر سے چلی ہوں تو وہ شب [illegible] کی صبح تھی اور اب وہ صبح
بھی خزاں کی دوپہر سے بدل گئی تو اٹھی چاروں طرف [illegible] اور قربان ہو کر پھر بیٹھ گئی، عقل
زائل ہو چکی تھی، دل بگڑ چکا تھا، بکتی تھی غور سے دیکھتی [illegible] کبھی سانس دیکھتی کبھی نبض جب
سانس بگڑنے لگا اور یقین کامل ہو گیا، کہ یہ آنکھ [illegible] بند اور زبان سدا کے واسطے
ساکت ہو گئی، دنیا کی کوئی طاقت، زندگی کی کوئی کوشش، حکیم کی کوئی دوا اور ڈاکٹر
کا کوئی نسخہ اب ناصرہ کو زندہ نہیں کر سکتا، تو سمجھی کہ آن پہنچا ہے وہ وقت جب یہ جسم
بے جان ہو گا، اور کلیجہ کی کور صرف ہڈیوں کا ڈھیر رہ جائے گی، تو گلے میں ہاتھ ڈال کر لپٹ گئی
لپٹتے ہی بیہوش ہوئی اور بیہوش ہوتے ہی ایک دوسرا منظر آنکھ کے سامنے تھا بچی مر چکی
ہے، نہلا دھلا کر کفن پہنا دیا اور لیجانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، دیواروں سے ٹکریں مارتی
ہر طرف سر پھوڑتی ہے۔ سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھتی [illegible] باپ جس کو مرے بارہ برس سے
زیادہ ہو چکے تھے، سفید کپڑے پہنے خاموش کھڑے [illegible] کی انگلی دانتوں میں ہے اور نگہ
خشم آلود بیٹی کے چہرہ پر بیتاب ہو رہی تھی، آگے [illegible] بڑھی تھی کہ قدموں پر گرے مگر باپ نے
جھٹک دیا اور کہا ہٹ جا اپنے ناپاک ہاتھوں سے [illegible] جسم کو گندہ کر، تیری زندگی کا جو
دن گزرا وہ بد اور جو رات گذری وہ بدتر، ایک [illegible] اور ایک نافرمان لڑکی،
ایک گنہگار مخلوق ہرگز اس قابل نہیں، کہ میرے [illegible] اور پاک جسم کو ہاتھ لگائے،
تیری آجتک کی زندگی کا بڑا کارنامہ عزیز سرمایہ گرانقدر [illegible] اور سب سے بڑا اثاثہ
قادر ذوالجلال سے روگردانی ہے، دوزخ کے [illegible] آگ کی لپٹیں تیری منتظر ہیں،
موت تیری ہستی کا خاتمہ کرنے کو تیار، تیری امنگیں [illegible] حوصلے اور ارمان کیلئے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا گھپ۔ آج وہ ارمان [illegible] مہمان رہیں اور منتیں پیر

اور فقیر کہاں ہیں، موسم بہار کے بلبل تھے، چہچہا کر اُڑ گئے اب تو ہے اور تیرے اعمال بھگت چو کیا، کاٹ جو بویا، اور لے جو دیا کھائے گی جو پکایا اور پائے گی جو بھیجا تیری امانت موجود تیرا حصہ تیار، تیری زندگی کا مقصد اپاہجوں کی خدمت یتیموں پر شفقت، غریبوں پر عنایت بیکسوں پر حمایت اور مظلوموں کی اعانت تھا، دکھے ہوئے دل جوڑتی ٹوٹے ہوئے دل تسکین اور زخمی دل تیرے ہاتھوں آرام پاتے، اُجڑی ہوئی کھیتیاں خون جگر سے سینچتی، اور مرے ہوئے دل اپنے ہاتھ سے زندہ کرتی، تیری بچی ناصرہ مرچکی چہکتی ہوئی مینا اور مہکتا ہوا پھول ختم ہوا، مگر اس کا بنانے والا مالک زندہ ہے۔ اور یہ وہ مالک ہے جس کے آگے تیرا سر کبھی نہ جھکا، مگر اُس نے اپنے کرم سے تجھ کو کبھی محروم نہ رکھا دور نہیں تیرے پاس ہے طلب کر عطا کرے گا۔ گڑگڑا سُنے گا۔ التجا کر قبول کرے گا، ناچیز سب طرف سے مایوس ہوچکی، اب اس کو سجدہ کر، جو مُردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرنے والا ہے،

باپ کا آخری فقرہ اس قدر پر جوش تھا کہ آنکھ کھل گئی، دل دھڑک رہا تھا، اور آپ کانپ رہی تھی، دیکھا تو بچی برابر میں بیہوش پڑی ہے، موت کا خیال آتے ہی کلیجہ سے لگا لیا، مگر وہ تو واقعی مردہ تھی جس میں ایک خفیف سی آواز سانس کی موجود تھی، اٹھی تو رات کا سناٹا نیم کی پتیاں اور آسمان کے تارے خالق الموجودات کی زبردست قدرت کا رات کے اندھیرے میں پتہ دے رہے تھے۔ غور کیا تو واقعی نماز پڑھے ہوئے بارہ سال سے زیادہ ہو گئے۔ سوچنے لگی کہ اللہ اللہ ایسی کمبخت عورت کون ہو گی جو پورے بارہ سال خدا سے فرنٹ رہی اور اسی پر بس نہیں شرک کئے قبے دن کو پوجا مگر اس کی ذمہ دار میں اکیلی نہیں ساری سسرال ہے اور میکہ بھی اس الزام سے پاک نہیں، گوار پتہ میں کیسی پابند تھی کہ بڑے ماموں جان کے نکاح میں سمدھیانے میں جانماز لیکر فرض پڑھے، مگر شادی ہوتے ہی خدا سے ہزاروں کوس دور ہو گئی ما یوں ہی میں گنڈے دار ہو گئی تھی، سسرال پہنچکر تو بالکل ہی صفایا ہو گیا، پہلے روز دلہن بنی، جھکی بیٹھی تھی، بیسیوں بیویاں گھیرے تماشہ دیکھ رہی تھیں، ظہر اور عصر مغرب اور عشاء چاروں قضا ہوئیں، اور ایک مسلمان کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ نماز پڑھوا دیتا، مگر خیر وہ شرم اور حجاب دس بیس روز کا تھا، اس کے بعد پڑھتی، ہائے میری تقدیر خبر نہیں ایک

ایک دن میں کتنے سانس لئے مگر ایک سانس بھی خدا کی یاد میں نہ گزرا۔

ان خیالات کا دل میں آنا تھا کہ پہلی زندگی کا تمام نقشہ اور اپنے کرتوت آنکھ کے سامنے پھر گئے۔ ادھر بچی کی موت کا یقین ادھر خرابی عاقبت کا واقعی احتمال اٹھی، گھبراتا کے آگے عاقبت ہیچ تھی اور بمشکل سے دو چار لمحہ وہ تصور قائم رہا ورنہ وہ تھی اور بچی کا خیال گم سم بیٹھی تھی کہ ماں نے کہا بیٹی اتنا اتنا تم کو سمجھایا کہ احمد جی کے مزار کی چادر بھیجو مگر تمہاری سمجھ میں خاک نہ آیا، اس وقت سنا نہیں اب رونے بیٹھ گئیں، پانچ نہیں چھ روپیہ اٹھ جاتے بچی سے تو زیادہ نہیں تھے۔ ایسا بھاری عرس جس میں دور دور سے خلقت آکر جمع ہو اور سینکڑوں ہزاروں اٹھائے کچھ تو ہے جو ہر سال اس زور شور اور دھوم دھام سے لوگ کرتے ہیں مگر تمہارا کیا قصور ہے وہ تو تقدیر جب الٹتی ہے تو سامان ہی ویسے ہو جاتے ہیں۔ آج کل تو ایسے بزرگ وہاں آئے ہوئے ہیں کہ شہر کیا ساری دنیا ان کو پوج رہی ہے، دن بھر اور رات بھر آدمیوں کا تانتا لگا رہتا ہے جو تعویذ ہے وہ ایک بر ایک بوا حمیدہ کے میاں کو حکیم اور ڈاکٹر سب جواب دے چکے تھے پھوڑے کا یہ حال تھا کہ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین تھی، بیچاری ڈولی میں ڈال لے گئی، وقت کی بات تھی بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ایک تعویذ دیا کہ جاتے ہی گھول کر پلا دو، پانی کیا حضرت علیؓ کا لب تھا کہ دو ہی گھونٹوں میں پھوڑے کا پتہ تک نہ رہا۔

ماجرہ تو میں نے کب انکار کیا تھا تم نے پھر یاد ہی نہیں دلایا اب تو ڈولی ملنے کی ہی نہیں۔ دو بج رہے ہیں نہیں تو اب ہی چلی چلتی چلئے صبح ہی چلی چلئے۔

ما نہیں یہ تو کیا جانے کا وقت ہے اور ان کے نزدیک تو دن رات دونوں برابر ہیں سنا ہے کہ رات بھر نماز پڑھتے ہیں کبھی سوتے ہی نہیں، ہما شما سے تو بات ہی نہیں کرتے، جس سے بات کر لی بس سمجھ لو بیڑا پار ہے۔

ماجرہ لے ہے مجھے کیا خبر تھی میں تو ایک چھوڑ چار چادریں چڑھا دیتی اور بیس دفعہ چلی جاتی مجھے اس سے زیادہ اور کیا ہے۔

ماں کے ایک ہی صیقل کے رگڑے نے وہ زنگ کہیں کا کہیں پہنچا دیا نہ خوف خدا رہا نہ عذاب کا ڈر خدا خدا کر کے رات کاٹی، اور نماز سے پہلے دونوں ماں بیٹیاں ڈولی میں بیٹھ

احمد جی کی درگاہ پہنچیں، شاہ صاحب ٹخنوں سے نیچا کرتہ بڑی بڑی زلفیں ڈاڑھی سفید بگلہ کا پر ہاتھ میں تسبیح منہ میں بڑبڑاہٹ آنکھیں بند۔ بیٹھے جھوم رہے تھے۔ مریدوں نے دور ہی سے دیکھ کر ڈانٹ بتائی۔ ٹھہر جاؤ، آگے نہ بڑھنا حضور مراقبہ میں ہیں، دونوں ٹھٹک گئیں، ایک مرید آگے بڑھا اور کہا کیا یہ بچہ بیمار ہے، دس بجے حضور مراقبہ سے فارغ ہونگے تو دم کردیں گے،

ہاجرہ۔ حضرت یہ تو شام سے ہی بیہوش ہے آپ دیکھیں تو سہی،

مرید۔ ہم سب سمجھ گئے۔ ہم کو معلوم ہے ادھر کونے میں بیٹھ جاؤ۔

ہاجرہ۔ حضور سے عرض کر کے شائد دیکھ لیں۔

مرید۔ حضور مراقبہ میں ہیں کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

ہاجرہ۔ ہم تو بہت دور سے آئے ہیں اس وقت تو کسی طرح دکھا دیجئے بڑا احسان ہوگا۔

مرید۔ دس بجے کے بعد! تم لوگوں کی نیاز کیلئے مٹھائی وٹھائی لے آئی ہو۔

ہاجرہ کی ما۔ حضور جو کچھ حکم دیں گے وہ حاضر کردینگے، مگر وہ ایک نظر ڈال لیں،

مرید۔ حضور تو لاکھ روپیہ پر بھی نہ تھوکیں تمہاری ہستی کیا ہے۔ نیاز ہے وہ ہم دیدینگے نکالو پانچ روپیہ اور پانچ ٹکے سو لوگوں نے مرید صاحب کا فرمانا ٹل کیسے سکتا تھا۔ ہاجرہ نے پانچ روپیہ ڈھائی آنہ ان کی نذر کئے۔ اور وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ خبردار جو کسی سے ذکر کیا میں حضور کو لاتا ہوں دونوں کی دونوں خاموش کھڑی ہوجاؤ۔

حضور کے لانے میں کونسے ہاتھی گھوڑے درکار تھے۔ وہ تو مولوی صاحب کی اُڑان گھاٹیاں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور آگئے۔ دم کیا تعویذ دیا، اور بغیر بولے چالے چلے گئے، دونوں ما بیٹیاں لوٹیں تو راستہ میں ہاجرہ کی پھوپھی زاد بہن رہتی تھی جس کا شوہر ڈاکٹر تھا، ڈولی اس کی دوکان کے آگے سے گزری۔ دو سواریاں اور دونوں بھاری بانس لچک گیا۔ اور چرا کے ڈولی ٹوٹی۔ سواریاں گریں، چوٹ لگی سو جدا اور بے پڑگی ہوئی وہ الگ۔ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا جلدی سے اٹھ پاس گئے، اور دونوں کو لا کر اندر بٹھایا۔ ان کی رام کہانی سنی اور بچی کو دیکھا تو دونوں کچلیاں سوجی ہوئی ہیں چھالا جھلک رہی ہیں ایک کسی نہ دوا سے پوچھا نہ نائی سے نشتر نکال دونوں مسوڑے کھول منہ دھو دھلا کر بچی کو

گود میں دے ڈولی میں بٹھا چلتا کیا۔ گھر پہنچی تو بچی نے آنکھیں کھول دیں۔ پانی دیا تو غٹ غٹ آدھا آبخورہ پی گئی۔

(۱۳)

انعام جو بچہ اپنی موجودگی میں ہو گیا تھا، اور جس کھیتی میں بیوی نے رات دن پانی دیا اب اس میں پھل آنے کا وقت تھا یہاں سے تو تیسے میں سوار ہو گیا، مگر وہاں پہنچتے ہی بیوی کی غربت بچی کی محبت اور اپنی قسمت نے مردہ کر دیا۔ اور ایک دن تو جوں توں کٹا۔ اور کام بھی شروع کر دیا، مگر ادھر تو بیوی کی ناخوشی کا فکر ہر وقت سر پر سوار تھا ادھر بچی کی تصویر۔ کیسا کام کاج، اور کس کی دیکھ بھال دن بھر جنگلوں کی خاک چھانی اور شام کو آئے پڑ رہے۔

جیسے کنتا گھر رہے ویسے رہے بدیس، افسروں تک اطلاعیں پہنچیں، حکام تک خبریں گئیں۔ فہمائشیں ہوئیں۔ غصہ ہوا لیکن سب بیکار تھا۔ مہینہ ختم ہونے آیا تو یہی نہیں کہ پوری تنخواہ بیوی کو بھیجدی اور ساتھ ہی معذرت کا خط محبت کا پیغام، غصہ کا افسوس، روانگی کا ملال، اور معافی کا سوال، گھر کی زندگی پھر غنیمت تھی کہ جب افکار سے اُکتاتا۔ اور جھگڑوں سے گھبراتا تو بیوی کا اخلاص بچی کی مزیدار باتیں خیال پلٹ دیتیں، مگر یہاں کوئی اتنا بھی نہ تھا، رات جھگڑے میں صاف نکل جاتیں، دن بھر گم سم پڑا رہتا مگر چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آتی، کھانا پینا تھک گیا۔ دو دو وقت صاف گزر جاتے، بڑی مشکل سے اور نوکر کے کہنے سننے سے زبردستی بیٹھتا تھا، مگر نوالہ ہی نہ چلتا، آدمی ان کا گیڑا ہے، بدن گھٹنے لگا اور چند ہی روز میں کانٹا ہو گیا۔ ادھر تنخواہ دو چار مہینے تو خاموش رہے، مگر کہاں تک اور کب تک دس پانچ تقاضے بیوی پر کئے، دو چار خط میاں کو لکھے۔ ایک آدھ عرضی افسروں کو بھی اُڑا دی، جب کسی طرح کام نہ چلا تو دعوے دائر کر دیئے، افسر پہلے ہی بگڑ رہے تھے۔ کام کو دیکھا تو وہ چوپٹ خود بدولت کو دیکھا تو وہ سودائی چھٹی کی کوئی حد نہیں۔ آج ایک کا نٹس ہے تو کل دوسرے کا حالت وہ کچھ آفت یہ کچھ موقوف کر دیا، گھر آئے ابھی راستہ ہی میں تھے جو خبر لگی کہ گھر کا سارا اسباب برتن بھانڈا دری اور چاندنی سب قرق ہو گئے۔ یہ دھکا ایسا لگا کہ آدھی جان رہ گئی، گھر پہنچا تو واقعی خاک اُڑ رہی تھی بیوی تھیں تو وہ میلے کچیلے کپڑے پہنے بُرے گھر کی باندی بنی بیٹھی تھیں بچی تھی تو وہ ملتے بدتر ہاتھ ہیکڑا نہ پاؤں پکڑا، بدن

چاندی کا تار تک نہیں، چٹ کر تے چوہا اور بنی باپ کی صورت دیکھ کر لپکی، انعام نے گلے لگایا اور گود میں لئے دالان میں آیا بیٹھا تو بیوی نے سارا قصہ سنایا کہ زندگی وبال اور جان اجیرن ہے۔ دو دفعہ قرقیاں آچکی ہیں ایک دفعہ بڑی مشکل سے دے دلا کر ٹال دیا تھا دوسری دفعہ بلا خود سے آیا اور جھاڑو تک لے گیا۔ مٹی کی ہنڈیا میں دونوں وقت کھچڑی پکا لیتی ہوں، بڑے میاں بھی چلے گئے، کوئی اتنا نہیں کہ دمڑی کی مرچیں بازار سے لادے۔ بیوی کہہ چکیں تو میاں نے اپنا جھگڑا چھیڑا، موقوفی کی خبر سنکر بیوی کو سناٹا آگیا، اب تک یہ خیر تھی کہ روٹیوں کا دھندا چل رہا تھا، اب وہ بھی ختم ہوا، دس روپیہ کے قریب انعام کے پاس موجود تھے، بارہ تیرہ دن اس میں بسر ہو گئے، مگر صبح شام بھی جب وہ گھر کا سودا سلف اور گوشت ترکاری لینے کو جاتا تو دیکھنے والوں کے واسطے عبرت کا بہت بڑا سبق دے رہی تھیں، وہی سودے والے کنجڑے قصائی جو کبھی دور سے سلام کو اٹھتے تھے۔ اب باری باری لوگوں کو دیتے، اور یہ بدنصیب کھڑا سب کا منہ تکتا، یہاں تک بھی تعجب نہ تھا، اور ایک وقت وہ آیا جب دو مہینہ بعد سب کے دام چڑھ گئے، اور انعام کا یہ عالم ہوا کہ کوئی گلی کوچہ و بازار ایسا نہ تھا جہاں سے وہ دن دہاڑے آسانی سے گزر جاسے، چاروں طرف قرضخواہ موجود تھے کسی کا ایک تھا کسی کے دو اور کسی کے دس کسی کے بیس۔

منہ چھپائے دن بھر پڑا رہتا چھ سات مہینے اس طرح بسر ہوئے، آخر خود ہی انعام کو خیال آیا کہ مہینہ مہینہ بند کر کے گزر رہا ہے، آٹھ آنے روز کا مکان اب میری حیثیت سے زیادہ ہے۔ آٹھ آنہ کا آٹا ہو، تو تین آدمیوں کے چار وقت نکلیں، آمدنی کا کوئی ذریعہ رہا نہیں، خرچ جیتی جان کے ساتھ سب ہیں، کوئی کسی کا نہیں، مکاندار کب تک خاموش رہے گا، اور واقعی رہتا، عدالت سے دو ہفتہ کی مہلت ملی، مگر بڑی مصیبت یہ تھی کہ چپہ چپہ اور کونہ کونہ چیونٹیوں کی طرح قرضخواہ پھرے پڑے تھے بڑی دقت اور خرابی اور ان ہی بڑے میاں کی عنایت سے جو حسن امام کی حمایت میں تشریف لائے تھے: ڈھائی روپیہ کا ایک مکان جس میں ایک کوٹھری اور ایک دالان تھا کرایہ کو میسر آیا۔ اور راتوں رات میاں بیوی بھاگ کر اس مکان میں جا پہنچے۔

(۱۴)

انعام اور ہاجرہ کی زندگی کا یہ انتظام انسانی زندگی کا بدترین دور تھا پیٹ کو ٹکڑا اتھانہ تن کو چیتھڑا، مسلمانوں کا محلہ تھا، بڑے میاں میر محلہ ان کی بدولت فاقے نہ ہونے پاتے تھے، مگر ایک آدھ دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ چار برس کی مینا کو مٹھی بھر چنے بھی نصیب نہ ہوئے صبح شام ہوگئی اور شام صبح، اگر انعام اپنی آبائی تمکنت پچھلی فضیلت اور گوشۂ عظمت کو بھول کر موجودہ حالت کا خیال کرتا، ہاجرہ پرانی نخوت دیرینہ ثروت اور اگلی شان و شوکت فراموش کر کے اس رعونت پر لعنت بھیج، شرک و بدعت کے واقعات سے عبرت حاصل کرتی تو بھی غنیمت تھا، کچھ نہ کچھ ہو جاتا، دونوں میاں بیوی مل کر ایک نئی زندگی شروع کرتے، دنیا کا وسیع میدان آنکھ کے سامنے تھا، ہاتھ پاؤں سے کام لیتے، امارت کو فسانہ اور وجاہت کو خواب سمجھ کر اب جو گڑی بنتی وہ سنتے، جو پڑتی وہ اٹھاتے، میاں نوکری ڈھونڈتا بیوی گوشہ بنتی، روکھی کھاتے اور اجلا پہنتے، بڑی چیز بھرم تھی لاکھ زمانہ پلٹ چکا اور بات بگڑ چکی تھی، لیکن ہمت سے کام لیتے تو سب کچھ تھا مگر سو مصیبتوں کی ایک مصیبت اور ہزار خرابیوں کی ایک خرابی وہ بل تھا جو رسی کے خاکستر ہونے پر بھی نہ جلا رہنا چھوٹنے کا، مگر خواب محلوں کے دس پندرہ روپیہ کی نوکری میاں کی کسر شان اور ایک آدھ روپیہ کا کرتہ بیوی کو وبال جان تھا، بڑے میاں کی عنایت تھی یا احسان کہ دس روپیہ مہینہ دے رہے تھے، اور اسی پر تینوں کا گزران تھا، میاں بیوی میں اختلاف تو کبھی کا شروع ہو چکا تھا، اب ہر وقت کا فضیحتی تھی، بچی صبح ہی بڑے میاں کے ہاں چلی جاتی تھی، ماں باپ کی اس کل کل پٹ پٹ اور جوتی پیزار سے وہ بھی بیزار ہو گئی، کبھی آ جاتی کبھی رات کو بھی وہیں پڑ رہتی، ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اپنی اپنی جگہ اب دونوں نادم تو نہیں مگر متاسف ضرور تھے، ہاجرہ نے زبان سے تو کبھی کہا نہیں، مگر ہاں جب ٹوٹے ہوئے جھلنگے پر پڑتی تو رسموں کے خوفناک اژدہے عالم خیال میں چاروں طرف ڈٹتے اور چاروں میں سکڑ کر لیٹتی تو جہالت کے سنپولئے اور بچھو بساط حیات کے ایک ایک چپہ پر ڈنک مارتے یہ وہ وقت تھا کہ دونوں کی ساری ساری راتیں ان ہی الجھنوں میں ختم ہو جاتیں، انعام پہلے ہی نفاق ہو چکا تھا اب ہاجرہ بھی کھینچی ہوئی شروع ہوئی، عزیز اقارب اول تو تھے ہی نہیں اور جو دو ایک تھے

بھی وہ ان گنوں سے کنارے ہو گئے، ہاں ایک بڑے میاں رشتہ کی ساری کائنات موجود تھے اور حق یہ ہے کہ وہ اپنے دم سے ہر طرح حاضر تھے، ہاتھ سے پاؤں سے روپے پیسے سے کھانے سے کپڑے سے کسی طرح بھی باہر نہ تھے، محلہ کیا سارا شہر اُن کی عزت کرتا تھا، اگر آدھی رات کو کوئی بات زبان سے نکال دیں، تو ٹل نہ سکتی تھی، انعام کیلئے ہزار پانسو کا انتظام اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر وقت کے منتظر اور موقع کے متلاشی تھے، حسن اتفاق ملت آباد کے شہرۂ آفاق رئیس اُن سے ملنے آئے، بڑے میاں نے انعام سے بھی ملایا اور اکی داستان مصیبت سنائی، اس وقت تو بات آئی گئی ہوئی، مگر دوسرے دن علی الصباح رئیس نے خود آکر ایک ہزار روپیہ انعام کی نذر کر دیا، مناسب یہ تھا کہ سب روپیہ لیجا کر بڑے میاں کے سپرد کر دیتا، مگر ظالم نے خبر تک نہ کی اور بیوی کے حوالہ کر دیا، بڑے میاں کی تقدیر میں اپنی بات کے ضائع ہونے کا افسوس لکھا تھا وہ پورا ہوا، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی ناجرہ کی باچھیں کھل گئیں، چاہیے کہ اس روپیہ سے بانصیب کوئی کام شروع کر دیتا یا تجارت لاحول ولا قوۃ ڈیڑھ دو مہینے تک خوب اللے تللے ہوئے، اب وہ جھک جھک اور نا اتفاقی ختم ہو چکی تھی، سلوک تھا، محبت تھی، جو میاں کی خواہش وہ بیوی کی مرضی جو بیوی کی مرضی وہ میاں کی صلاح۔ ایک دن بیوی نے کہا،

یہ روپیہ تو اللہ نے ناصرہ کی تقدیر کا دیا ہے ہماری تقدیریں تو پھوٹ ہی چکی ہیں امیری فقیری تو اللہ کی دین ہے وہ دن بھی گزرے یہ بھی گزر رہے ہیں، نہ وہ رہے نہ یہ رہیں گے اللہ کا شکر ہے جس حال میں رکھے اس کا احسان، مگر میں یہ کہتی ہوں کہ بچی کے دو بول بسم اللہ کے ہو جائیں تو اچھا ہے، دیکھ لو دانتوں پکڑے ایک ایک پیسہ اٹھ رہا ہے پھر بھی تین سو سے اوپر اٹھ چکے ہیں اپنے کاموں میں تو آئیں ہی گے، ایک کام تو اس کا بھی ہو جائے، جس نے اپنی رحمت کی، اس کے ہاں کیا کمی ہے ایک اٹھاؤ وہ در دیا ستر و عاقبت

میاں: میں تو اس وقت اس فکر میں ہوں کہ کوئی ایسی صورت ہو جائے جو پانچ سات روپیہ کی مستقل آمدنی ہو، تم کہتی ہو تین سو اٹھ چکے مگر تمہارا ہی کیا قصور ہے سو روپیہ کا تو فقط کپڑا ہی لایا تھا، ان ہی شادیوں نے یہ دن دکھایا، اب پھر وہی سوجھی سب سے پہلے تو پھوپھا جان ہی کو خبر ہو گی، وہ تو پوچھیں گے کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا؟

بیوی۔ ان کا فکر نہ کرو میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔ کہدوں گی اماں کر رہی ہیں یکدان ہی کے ہاں سہی۔ فکر کی جو کہو تو ایک فکر کیے سے کیا ہو گیا جواب ہوگا تو تقدیر کا ہے ہی گھڑی بھر تو خوش بھی ہولیں،

میاں۔ تمہاری مرضی۔

(۱۵)

بیوی کی یہ تجویز کہ بسم اللہ میکے میں ہو میاں کو بہت پسند آئی، پھوپا صاحب کی شرکت تو درکنار خبر تک نہ کی اور دونوں میاں بیوی گھر کو قفل لگا بجی کو لے چلتے ہوئے۔ اماجان کو اس تجویز سے کب انکار ہو سکتا تھا سچ تو ان ہی کے بوئے ہوئے تھے جھپا جھپ تیاریاں شروع کر دیں، لطف یہ کہ مصیبت میں کوئی بات تک کرنے والا نہ تھا، ضیافت میں سیکڑوں رشتہ دار آ موجود ہوئے، پاؤ سیر بالوشاہی تانبے کی طشتری ایک رومال ہفت کا مال کیا برا تھا، عورتوں اور مردوں دونوں کے ٹھٹ لگ گئے، اور رات بھر کی خوب گھما گھمی ہو گئی وہی بی ناجرہ جو کل تک فاقے مر رہی تھیں آج دلہن کی اماں کے نام سے نہال نہال ہو رہی تھیں، کیا تو کل کے لوگ تھے کوڑی کوڑی اور دام دام خرچ کر ڈالا، اور تیسرے روز شام کے وقت اپنے گھر میں آوارد ہوئے، بڑے میاں ایسے کیا بچے تھے سُن لی اور سمجھ گئے، معلوم ہو گیا اور خاموش ہو گئے بھاں گئے اور اُف نہ کی، خبر لگ گئی مگر زبان تک نہ لائے ناصرہ کی شادی کسی بڈھے ٹھڈے کی موت تو تھی ہی نہیں کہ دبا دبو چلے آئے، ماشاء اللہ آدھے سے زیادہ شہر جو تھا قرضخواہوں کو پتہ کیوں نہ لگتا، وہ بھی آ موجود ہوئے، انعام بسم اللہ میں مگن تھے، آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، ان کے کلیجے میں لگ رہی تھی، رتی رتی بھانپ گئے، اور جاتے ہی گرفتاری کی درخواست دائر اور طلبانہ داخل کر دیا۔ ناظر بڑے میاں کا مرید تھا، شام کو ہی حاضر ہو ساری کتھا کہہ سنائی، اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں نے اپنی کرنے میں کسر نہیں کی، خبر کرنا میرا کام تھا، اب آپ جانیں یا وہ سب بپھرے ہوئے ہیں، شادی کا رنگ انہوں نے دیکھ لیا، روپیہ کا پتہ اُن کو لگ گیا، بڑے میاں جواب تو کیا دیتے ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو گئے، انعام کو بلا کر صرف اتنا کہا بیٹا بات یہ ہے کچھ کر سکتے ہو تو کر لو صبح ہی کارروائی شروع ہو جائے گی۔ میاں نے جا کر بیوی

سے کہا اور کچھ صلاح ہو کر یہ رائے قرار پائی کہ گرفتاری تمام شہر میں خواری کرے گی دیس
چوری پردیس بھیک وطن کو خیر باد کہو اور جدھر منہ اٹھے چلے چلو، آٹے کی گٹھری دال کی
پوٹلی کپڑوں کی نقچی بھکنی دست پناہ کو ٹہار کابی ساتھ لیا، اور تینوں کے تینوں وطن کے ذرّے
کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے فصیل سے باہر نکلے۔ ہاجرہ جو گھر میں بھی اٹھتے بیٹھتے
الکساتی تھی پورے دن منہ اٹھائے چلی جا رہی تھی، موسم سرد تھا جاڑا پورے زوروں
پر جنگل کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس ڈراونی رات میں اپنے مہمانوں کی مدارات کر
رہے تھے، انعام مرد اور ناصرہ بچی تھی، مگر بڑی مصیبت بدنصیب ہاجرہ کی تھی سر پر گٹھری
ہاتھ میں پوٹلی پیٹ میں بچہ جان اجیرن اور ایک ایک قدم وبال تھا، مگر گھسٹتی گھسٹاتی
چلی جا رہی تھی کمبخت نے کبھی گلی میں بھی قدم نہ رکھا، آج ببول کے کانٹے اور جنگل کے
گوکھرو اس کے پاؤں لہولہان کر رہے تھے، تھوڑی دور چل کر دم لینے بیٹھ جاتی اور
پھر یہ سمجھ کر کہ راتوں رات جتنی دور نکل جائیں اچھا ہے، چلنے لگتی، رات آدھی کے
قریب اسی طرح گزری یہ وہ وقت تھا کہ کائنات کی ہر زندہ مخلوق قدرت کے زبردست
قانون نیند کو پورا کر رہی تھی، پرندا پنے آشیانوں میں دبکے سکڑے درندا پنے
بھٹوں میں پاؤں پھیلائے خانمان برباد چرند درختوں کے نیچے پڑے تھے ہاں اس
نعمت سے محروم تھے تو یہ تین خانہ بدوش انسان، جو ہتھیلی پر اپنی جان لئے دامن کوہ
کی منزلیں طے کر رہے تھے، تاروں بھرے آسمان نے ان کی بدنصیبی پر قہقہہ لگایا، دھوئیں
نے جھوم جھوم کر ان کی مصیبت پر ٹھٹھے اڑائے ہوا ان کا تماشہ دیکھنے آگے بڑھی۔
رات نے بستر کائنات پر کروٹ لی، مغرب سے سیاہ گھٹا نمودار ہوئی، اور آناً فاناً
ابر سیاہ بہروں پر چھا گیا، گرج کی خوفناک آوازوں نے ہاجرہ کا کلیجہ دہلا دیا بجلی کی چمک آنکھوں
میں گھسی جاتی تھی، اور تینوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے درختوں کے نیچے کلمہ
پڑھ رہے تھے، موسلا دھار پانی برسنا شروع ہوا، اور خلقت بیابانی نے اپنی فریادیں
بلند کیں، گیدڑ چیخے لومڑیاں چلائیں، ان آوازوں نے رہے سہے ہوش بگاڑ دیئے،
کبھی کبھی کچھ فاصلہ پر چیتوں کی دہاڑ اور سانپوں کی پھنکار بھی کانوں میں گونج جاتی تھی۔
جنگلی چوہے اور خرگوش سائیں سائیں کرتے ہوئے پاس سے نکل جاتے، رات

اپنی منزل طے کر رہی تھی، اور جنگل کی سرزمین پر حکومت کرنے والی مخلوق
جس کا ڈنکا چاروں طرف بج رہا تھا، اپنے ناخواندہ مہمانوں کی روح سلب کر رہی تھی،
بظاہر یہ تینوں خاموش تھے، مگر خون خشک ہو چکا تھا۔ جان نکل رہی تھی، اور دم پر بنی ہوئی
تھی، انعام ناصرہ کو کلیجہ سے لگائے ناجرہ کا ہاتھ پکڑے آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا دل ہو
ہو رہا، اور کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا، پیپل کے پتے اس کی حالت پر رو رہے تھے، کہ دفعتہً ناجرہ
کی یہ آواز اس کے کان میں پہنچی، کہاں تک ضبط کروں، درد نے میری جان پر بنا دی یہاں
دائی بھی میسر نہ ہوگی، اس عالم تنہائی دیے بستی میں جہاں آدمی نہ آدم زاد بیوی کی یہ صدا
انتہائے مصائب کا وہ یقین تھا جس نے انعام کا دماغ مختل کر دیا، گھبرا کر اٹھا اور اسی
اندھیرے میں اس توقع پر آگے بڑھا کہ کہیں کوئی ٹوٹی پھوٹی عمارت نظر آجائے، تو بیوی
کو لا کر لٹا دوں، بادل بدستور گرج رہا تھا، مینہ ہلکا تھا مگر بجلی تھم چکی تھی، ہر طرف نگاہ دوڑائی،
لیکن اندھیرے گھپ کے سوا کوئی چیز نظر آئی، ارادہ کیا کہ آگے بڑھوں، مگر پھر خیال آیا کہ
ایسا نہ ہو کہ اس تلاش میں میں بھی بچھڑ جاؤں، لوٹا قدم اٹھاتا کہیں تھا پڑتا کہیں قریب
پہنچا، تو بیوی کی ایک چیخ آسمان اور ایک زمین تھی درد کے متواتر دورے بڑے زور شور
سے ہو رہے تھے، مگر نتیجہ کسی عنوان نہ ہوتا تھا، جب تکلیف حد سے زیادہ گزری تو ناجرہ
بیہوش ہو گئی، اس خموشی نے انعام کو قطعاً مردہ کر دیا، قریب آیا نبض دیکھی، تو کمزور
سانس برائے نام سمجھا کہ بیوی اور چند لمحہ کی مہمان ہے، اب اس وقت کی تصویر آنکھ کے
سامنے پھر گئی، جب ناجرہ دلہن بنی بیٹھی تھی، آرسی مصحف ہو رہا تھا، نظر اس کے چہرہ پر
سب سے پہلے پڑی اور آنکھ نے گھونگٹ میں آئندہ کے بہت سے وعدے کئے
یہ خیال آتے ہی کلیجہ پر ایک اور گھونسا لگا، اور دل نے صدا دی کہ جو میکے سے زیور میں
لدی اور عطروں میں بسی پالکی سے اتر کر میرے گھر میں داخل ہوئی تھی وہ آج میرے گھر
اپنے اصلی گھر اس طرح سدھار رہی ہے، کہ آسمان اس کی چھت ہے، درخت اس کے بزاق
مینہ کے قطرے اس کا زیور اور پیپل کے پتے اس کا لباس اوپر نگاہ اٹھائی تو سپیدۂ سحر کی
سر بفلک چوٹیاں خاتمۂ شب کی اطلاع دے رہی تھیں، چڑیوں نے روز روشن کے استقبال
میں نغمۂ مسرت شروع کر دیئے، اور موذن کی اذان کے ساتھ ہی ایک چہ تھے دستان

کی وہ صدا جو پردۂ دنیا میں پہلی تھی انعام کے کان میں پہنچی، اذان کی طرف چلا تو ایک مسجد نظر آئی، جہاں دو تین مسلمان موجود تھے رو کر اپنی داستان مصیبت بیان کی، تو ان لوگوں نے ایک گاڑی دی جس میں بیہوش زچہ اور نوزائیدہ بچہ کو لٹا کر گھر لایا، بڑے میاں کو خبر ہوئی، رات کی واردات سنکر روئے، چپکے اٹھ باہر گئے حکیم کو بلا کر نبض دکھائی بخار تیز تھا، اور بخار والی سے خیر حکیم نے نسخہ لکھا اور کہا دائی اناڑی تھی، آنول کا ٹکڑہ پیٹ میں رہ گیا، بچہ دس گیارہ گھنٹے دنیا کی ہوا کھا کر رخصت ہوا مگر اس کی ماں ایسی پڑی کہ الہی توبہ شام کے وقت ذرا ہشیار ہوئی تو ماں نے کہا بیٹی خدا کیواسطے ذرا تو آنکھ کھولو، سارے گھر کی ست ہی ست پر جان ہے، بچی الگ سر پھوڑ رہی ہے میاں جدا ٹکریں مار رہے ہیں، اور میری آنکھوں میں تو دنیا ہی اندھیر ہے، اس وقت تو خدا کا شکر ہے، بخار بھی ہلکا معلوم ہوتا ہے، دوا صبح سے پڑی جھک مار رہی ہے، لو اب تو پی لو،

ناجرہ لاؤ دے دو۔

ناجرہ کی آواز سنکر ماں کی جان میں جان آگئی، ادہر سے ناصرہ ادھر سے انعام دوڑ کر پہنچے۔ انعام نے بیوی کے افاقہ پر خدا کا شکر ادا کیا، ناصرہ پاؤں دبانے لگی۔ ماں نے دوا لا کر پلائی، پان کی کرچی دی، اب رات ہو چکی تھی بخار کم تھا، مگر نقاہت کا یہ حال تھا کہ بات اچھی طرح نہ ہو سکتی تھی، ہوش و حواس درست تھے، مگر ایک دن کا بخار نا معلوم کیسا زہریلا اور قاتل تھا، کہ مردوں سے بدتر صورت ہو گئی، دو بجے کے بعد جب بچی سو گئی، اور ماں کی بھی آنکھ لگ گئی، تو انعام نے کہا، پھوپا نے چلتے وقت دس روپے دیئے تھے وہ اٹھ رہے ہیں، بیماری کا گھر زچہ خانہ کا خرچ پانچ تو آج ہی اٹھ گئے، کوئی اتنا نہیں کہ وقت پر دس بیس روپیہ ہی قرض دے دے،

بیوی کوئی کسی کے کام نہیں آتا، اور دینے کو بازار اس کا جو لیکے دے ہم نے دیا کس کا جو آج کسی سے مانگنے کا منہ ہو ہاتھ سچا ہوتا تو کیا بڑی بات تھی، مگر اس لائق ہی نہ رہے،

میاں خیر خدا مالک ہے۔ خدا نے تمہارا دم بچا لیا، اس کا ہزار ہزار احسان روپیہ تو آنی جانی چیز ہے۔

بیوی خدا تمہارے منہ کا کہنا کرے مگر میری حالت اچھی نہیں ہے بری طرح پڑی ہوں خدا ہی ہے جو اٹھوں۔

حکیم کا علاج بدستور رہا۔ تین دن اور تین رات اسی طرح گزرے، کبھی امید سب کے چہرہ نہال نہال اور کبھی اندیشہ تینوں چاروں دل مضمحل کردیتا تھا، ناصرہ کلیجے کا ٹکڑا اور پیٹ کی اولاد تھی بچی تھی، پریشان ہوتی، مگر انعام کا حال بھی کچھ اچھا نہ تھا، وہ اپنا فرض اور مرض سب بھول گیا۔ ساس کے اصرار او بچی کے پیار سے مجبور ہوکر ایک آدھ نوالہ کھالیتا ورنہ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر تھی، چوتھے روز وہ صبح کے وقت اٹھکر بیٹھی اور بچی سے کہا۔

(۱۶)

ناصرہ پیاری خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ اور یہہ زندگی جو میرے لئے مصیبت تھی۔ تمہارے واسطے جنت ہو، کل کی بات ہے کہ میں اس دنیا میں بھیجی گئی، اور جب وہ زمانہ آنکھ بند کرکے گزر گیا تو میری پیدائش سے جو قدرت کا اصلی مقصد تھا اس کے پورا ہونے کا وقت آیا، یعنی دنیا نے مجھکو ایک گھر کی گھروالی ایک شوہر کی بیوی اور انسانی دنیا کا ایک رکن بنادیا، اس وقت میری نامراد زندگی کو دو کام انجام دینے تھے، دو فرض میرے ذمے، دو ضرورتیں میرے سامنے دو گھر مجھہ کو سنوارنے اور دو کسوٹیوں پر مجھکو پورا اترنا تھا، یہ دو نو منزلیں دنیا اور دین کے نام سے میرے روبرو تھیں میرے پاک مذہب اسلام نے اس اذان کے ذریعہ سے جو موذن نے میرے کان میں کہی مجھکو وہ پیام پہنچادیا تھا جس کے پورا ہونے کا وقت اب یہہ ہے، اس ابتدا کی انتہا اس دعا کا انجام اور اس اذان کی نماز ہے مگر اذان دینے والوں نے ہنس ہنسکر خوشی منانے والے روروکے پڑھیں گے لیکن جس طرح ہنسنے والوں کے قہقہے ختم ہوگئے، اسی طرح رونے والوں کی آنکھیں خشک ہونگی، مگر دنیا میرا ہے روتی آئی روتی رہی اور روتی جاتی ہوں، دونوں کام چوپٹ دونوں زندگیاں برباد دونوں فرض ناقص دونوں گھر اجاڑ ہائے ناصرہ خسر الدنیا والآخرہ زندگی کا یہ دور ختم ہوا مسرت کے جلوے فانی، دولت کا فریب سراب اور خوشیوں کی خبر بالیں سا دن کی خبر بالیں جوانی کی صبح دوپہر تک پہنچکر ڈھلنے والی تھی اور شمع زندگی رات کے آخر ی

حصہ میں ٹمٹمانے والی تمہاری جان سے دور بھیلو نٹی کے نیچے نے جو بظاہر مقصد زندگی مگر درحقیقت چمنستان شباب کی مرجھانے کی اطلاع تھی۔ اس دور کا بھی خاتمہ کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ پرورش اولاد کا بار بھی سر پر رکھدیا۔ مگر وہ وقت بھی رہنے والا اور سماں ٹکنے والا نہ تھا۔ اس رات کی سحر ہوئی۔ اور وہ صحبت درہم برہم۔ بیٹی پیاری اب اس خواب کی تعبیر اور اس دوا کی تاثیر کا وقت ہے جو ہمیشہ دیکھا اور عمر بھر پی، آج کوئی انسانی طاقت اور زبردست سے زبردست قوت ایسی نہیں جو قدرت کے اٹل قانون کو شکست دے دے۔ جو بیج بو چکی، اس کے پھل لازمی اور جو عمل کر چکی اس کے نتیجے ضروری اب کہ مدت پوری اور زمانہ ختم ہو گیا، نظر ڈالتی ہوں ان اعمال پر جو کرتی رہی غور کرتی ہوں ان افعال پر جو ہوتے رہے تو ایک سیاہ پہاڑ موت کے سر پر قدم جمائے کھڑا ہے۔ ہائے پیاری فضیحتِ خسران مبین۔

ماں باپ مجھ سے ناخوش۔ بہن بھائی مجھ سے بیزار، عزیز میرے شاکی محلہ مجھ سے نالاں میکے کے دن ایسے کٹے کہ خدا دشمن کے بھی نہ کاٹے سسرال پہنچی تو لاکھ کا گھر خاک اور بھرا پرا گھر اف کردیا، چالیس برس کے قیام میں کوئی کام ایسا نہ کیا جس پر فخر کروں کوئی آدمی ایسا نہیں جو خوش ہو، کوئی صبح اور کوئی شام ایسی نہ گزری جس کے خیال سے تسکین اور کوئی دن رات ایسا نہ کٹا جس کی یاد سے اطمینان میسر ہو۔ اب کہ موت نے آ دبایا زندگی پر نادم اور کرتوتوں پر شرمندہ ہوں آنکھ کھلی مگر بے وقت ہشیار ہوئی لیکن بے موقع، وقت نکل گیا، بات جاتی رہی، رات ختم ہوئی رونا بے سود پچھتانا بیکار ندامت بے اثر اور بیداری بیکاری ہے۔ ہاں میری زندگی دوسروں کے لئے عبرت اور بچوں کے لئے سبق ہوگی، گھر والیاں میری زندگی سے فائدہ اٹھائیں گی اور بیٹیاں میرے حالات سے پناہ مانگیں گی، خدا تم کو بڑا کرے۔ جب اس قابل ہو جاؤ تو میرا یہ پیام میری بہنوں تک پہنچا دینا، مجھ کو جس چیز نے دنیا اور دین دونوں میں برباد کیا وہ شادی اور موت کی رسمیں تھیں، شرک اور قبر پرستی سونے پر سہاگہ جس نے عمر بھر ذلیل و رسوا کیا میں وہ کمبخت عورت ہوں جس کے معزز و متمول شوہر نے محض میری بدولت در در بھیک مانگی، وہ نابکار بیوی ہوں جس نے سو روپیہ تنخواہ دار شوہر کی تمام عزت

و آبرو اپنی خواہشوں اور جہالت کی رسموں پر قربان کر دی، وہ ننگ خاندان بیٹی جو پانچہزار
کا جہیز لیکر میکے سے آئی، وہ منحوس و ناہنجار بہو جس کو سسرال نے پچیس ہزار کی جائداد
عطا کی، لیکن میکے کا اثاثہ اور سسرال کا مال چلّے اور چالوں عقیقے اور پھولوں پر لٹا
دیا، جن الفتوں نے ریا بیاں اڑائیں، جن شہدوں نے متنجن چکھے، جن مکاروں نے
بہاریں دیکھیں جن دغابازوں نے نقدیاں اینٹھیں، آج ان میں سے ایک بھی موجود نہیں
اور نہ وقت پر کام آنے والا نکلا، ٹوٹ ٹوٹ کر کھانے والے مصیبت کے وقت تماشہ
دیکھنے والے اور باڑ پر رکھکر لوٹنے والے تکلیف کے موقعہ پر سیر دیکھنے والے نکلے جس گھر
میں چار بلکہ پانچ پشتوں سے ایک ہی خاندان کے نال گڑتے چلے آتے تھے، جس
مکان کے چپے چپے اور کونے کونے پر صدائے توحید بلند ہوتی تھی آج اس تمام سرزمین پر غیروں کا
راج ہے اور سنکھ کی آواز گونج رہی ہے بسیسر کو ارپنہ کا ذکر ہے ہمارے گھر میں جو نیم کا درخت ہے
اس پر ایک فاختہ کا گھونسلا تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت ہم سب انگنائی میں بیٹھے تھے
کہ نر و مادہ دونوں میاں بیوی خلاف معمول آکر بیٹھ گئے۔ اتفاق سے ابا جان کی نظر
پڑ گئی، تو انہوں نے فرمایا، پرندہ ہوا کو ہم سے زیادہ پہچانتے ہیں، یقیناً بارش ہونیوالی
یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ہمارے سروں پر بادل کڑکنے لگا، اور ہلکی ہلکی بوندوں کے
ساتھ چنے چنے برابر اولے پڑنے شروع ہوئے، جس طرح ہم اٹھکر دالان میں چلے گئے
اسی طرح وہ دونوں بھی اندر دبک گئے، اولوں کی باڑ زبردست تھی، اور دونوں میاں بیوی
کہنے کو تو جانور تھے، مگر گھونسلا نہ چھوڑا، اولے دھڑا دھڑ پڑ رہے تھے مگر بیزبان پر جنبش
نہ کرتے تھے، چار تنکوں کا گھونسلا حقیقت ہی کیا رکھتا تھا، ایک اولے نے اپنے ساتھ ہی
سطح زمین پر پہنچا دیا، گھونسلا نہ رہا اولے بند ہو گئے، بادل کھل گیا، مگر ان جانوروں نے
وہ جگہ نہ چھوڑی کئی روز تک وہیں بیٹھے رہے، جانوروں کے دل میں گھونسلے کی محبت
اتنی کچھ تھی، میری شادی سے کوئی چھ مہینے پہلے جب چھوٹی چچی جان نے اپنا
مکان بیچا ہے اور وہاں سے اٹھی ہیں، حالانکہ حج کو جا رہی تھیں۔ نو رو تے روتے بیہوش
ہو گئیں، چوبیس پچیس برس کی بات ہے، مگر مجھے آجتک یاد ہے۔ جب لال ڈاڑھی والے
میرزا جی ٹوپی والی پر کرایہ کا تقاضا کرتے تھے تو چھوٹی دادی جان سہم جاتی تھیں اور

دعا مانگتی تھیں کہ الٰہی میری اولاد کرایہ کے مکان میں نہ رہے، مگر میں وہ ناشدنی ہوں کہ سب دعائیں اور التجائیں خاک میں جھونک دیں، خدا نے ایک چھوڑ آٹھ آٹھ، دس دس مکان دیئے مگر سب رسموں کی بھینٹ چڑھا دیئے،

(۱۷)

ہاجرہ یہیں تک پہنچی تھیں کہ دروازہ پر غل غپاڑہ کی آواز سنائی دی سب کے کان کھڑے ہو گئے، منتظر تھے کہ کیا شور ہے جو انعام نے باآواز بلند کہا پردہ کرو قرقی آتی ہے، تینوں سہم گئے، ہاجرہ اٹھنے کے قابل نہ تھی، میلا سا چادرہ اوپر ڈال لیا، ماالبتہ ایک کونہ میں کھڑی ہو گئیں، ناصرہ گم سم چبوترہ پر تھی کہ اہلکار اور بلا انعام کو لئے اندر داخل ہوئے مصیبت کا وقت اور خوفناک موقع تھا، دونوں عورتیں اور ایک بچی خاموش خدا کی قدرت دیکھ رہے تھے، ناصرہ تھر تھر کانپ رہی تھی، قرقی کے واسطے رکھا ہی کیا تھا جو دو ایک چیزیں پڑی تھیں وہ بلا نے اپنے قبضہ میں کیں کہ بلا سے خرچ تو نکلے تانبے کے کچھ برتن جہیز کا نواڑی پلنگ دو تخت ایک پاندان یہ کل کائنات تھی، یوں تو تینوں چاروں کی جان پر بن رہی تھی، مگر بچی کی حالت بہت ابتر تھی، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے تھے کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا، بے اوسانی میں اوڑھنی بھی کہیں گر پڑی، ایک کونہ میں چپکی کھڑی رو رہی تھی، اور کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی، کہ خدا یہ مصیبت جلدی سے ٹالے، بلا کونہ کونہ ڈھونڈھ رہا تھا، اور جو چیز نظر آتی تھی اٹھانا جاتا تھا بچی آخر بچہ ہی تو تھی، گڑیوں کا خیال آیا دوڑ کر بھاگی اور گڑیاں اٹھا کر ہاتھ میں چھپا لیں، بلا دور سے کھڑا تاک رہا تھا سمجھا کہ لڑکی نے کوئی مال چھپایا چیل کی طرح جھپٹا اور کہا دکھا کیا ہے بچی سہم گئی، ہاتھ دونوں کرتے کے اندر کر لئے، اور منت سے کہنے لگی کچھ نہیں۔ کمبخت کیا ماننے والا تھا، گھسیٹ کر باہر لایا اور کہا سیدھی طرح دکھاتی ہے تو دکھا نہیں تو زبردستی چھین لوں گا، پرایا مال مفت کا ہے لپ لپ اڑا لیا، شادیاں ہوں میری یا نیاں ہوں، دینے کی فکر خاک نہ ہو، بچی کیا جواب دیتی، آنکھ سے زار قطار آنسو بہ رہے تھے، اور یہ کہے جاتی تھی میرے پاس کچھ نہیں ہے، بگڑ گیا اور زبردستی ہاتھ باہر گھسیٹ لئے، زور سے مٹھیاں کھولیں تو بیچاری نے کہا دیکھ لیجئے کچھ نہیں

ہے میری گڑیاں ہیں جاہے لے لیجیے، اب جو بلّا نے نگاہ اوپر کی تو ناصرہ کے کان میں دو بالیاں چاندی کی جن پر سونے کا ملمع تھا، دکھائی دیں کہنے لگا اُتار دے۔
بالیوں کا نام سنتے ہی ناصرہ سہم گئی۔ سب سے پہلے اُس نے باپ کی طرف دیکھا کہ وہ حمایت لے اور اس شکرے سے جو چڑیا کی طرح اس کو پنجہ میں پکڑے ہوئے ہے بچالے مگر باپ کی نگاہ نیچی تھی، اس لئے ناصرہ کی نظر پلٹ کر حسرت سے بلّا کے چہرہ پر پڑی اور اُس نے عاجزی سے کہا

"اچھی میری بالیاں نہ لو"

سنگدل معصوم پر کیا رحم کھاتا، بالیاں اُتارنے لگا گو نجیں سخت تھیں نہ کھلیں۔ بچی برابر بلک رہی تھی اور اس پتھر کے ہاتھ نہ رکتے تھے گو نجیں نہ کھلیں تو زور کیا کان کی بساط ہی کیا تھی، لہولہان ہو گئے، خون کی تلّی بندھ گئی، مگر بلّا کیا چھوڑنے والا تھا کہا تو یہ کہا یہی تو ایک چیز ہے جس سے تھوڑے بہت آنسو پچھیں گے قینچی منگوا کر گو نجیں کتریں، اور دونوں بالیاں اَنٹی میں کیں۔

(۱۸)

احتمال یا اندیشہ ہوگا تو انعام کو ہم کو تو امید اور یقین تھا کہ سب سے پہلے تو ولادت اور ولادت کی مصیبت اور اس کے بعد یہ کیفیت اور کیفیت کی آفت ہاجرہ کی تمام مصیبتوں کا خاتمہ کردے گی اور اس طرح وہ کمبخت خود مر کر اور دوسرے اُس کو گاڑ کر بہت سی مصیبتوں سے چھٹکارا پا جائیں گے مگر بُرے کو موت کہاں پندرہ بیس روز تو پڑی رہی اور پھر لوٹ پٹ خاصی اچھی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھٹیا کٹی تو موت دکھائی دی اور موت کے ساتھ خدا یاد آیا، سنبھل کر بیٹھی تو دنیا نظر آئی اور دنیا کے ساتھ زندگی کے لطف، ہاں قرقی کا منظر انعام کے دل میں ایسا گڑا کہ مرتے دم تک نہ نکلا، وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ تمام خرابی تربیت کی ہے جس نے ہاجرہ کی طبیعت میں ایسے پیچ بوئے، اب اس کو سب سے زیادہ فکر ناصرہ کا تھا اور یہ دیکھ دیکھ کر اس کی روح اور بھی فنا ہوئی جاتی تھی کہ بیٹی کا جو رنگ تھا وہ ماں کے ڈھنگ پر بڑے میاں کی صحبت اس کے رنگ پر گو اچھا صیقل کر رہی تھی مگر دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک کر پیتا ہے، جتنا وہ بڑھتی تھی اُتنا ہی اُس کا خون خشک ہوتا تھا۔

بیوی کے گن اور اپنی بربادی پیش نظر تھی، بچی کی تربیت اور اس کا انجام آنکھ کے سامنے
خواہ مخواہ ڈانٹنا، بلا وجہ گھرکنا، کافر کہنا جاہل کہنا، حد یہ ہے کہ اس نے ناصرہ ہی کہنا چھوڑ دیا،
سامنے موقع ہوتا تو اور پیٹھ پیچھے ذکر آتا تو اس کی زبان سے جب نکلتا مشرکہ! ایک بڑے
میاں تو البتہ ناصرہ کہتے ورنہ بڑا اور چھوٹا محلہ اور پڑوس جو کہتا وہ مشرکہ۔ عزیز اس رمز کی تہ
کو کیا خاک اور ہاجرہ اس طنز کی پھٹکار کو کیا تیھر سمجھتی، چند ہی روز میں یہ نام کنبہ بھر میں مشہور
ہو گیا، اصل میں یہ انعام کی پیشبندی کے جتن تھے، ورنہ بڑے میاں کی صحبت اور تربیت
ناصرہ کو کندن بنا رہی تھی، مگر انعام کے دل میں کچھ ایسا ڈر بیٹھا تھا کہ اس کو بچی کا کھانا پینا
اٹھنا بیٹھنا جو فعل تھا وہ شرک اور رسم ہی معلوم ہوتے تھے، اب ذرا انعام کی آنکھیں
کھلیں اور اس کا پہلا تغیر جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ روپیہ ہوتا یا پیسہ جو آتا اور جو ملتا وہ بیٹی کے
ہاتھ میں دے دیتا، مشرکہ بھی تو بچی سات آٹھ برس کی جان خانہ داری کے رگڑوں جھگڑوں
کو کیا خاک سمجھتی، مگر خدا بھلا کرے بڑے میاں کا کہ مشرکہ کو گوڈرے لعل پتھر سے نیلم اور
ناصرہ سے بیگم بنا دیا، ماں جیتی کمر کی چک پاؤں کی موچ اور بھیجے کے درد کو پیٹتی رہتی۔ اور
وہ اندھیرے منہ وضو کر نماز پڑھ آٹا گوندھ روٹی پکا کھانا تیار کر لاتی، بیٹی کا یہ رنگ دیکھکر
باپ پر تو کیا خاک اثر ہوتا مگر ہاں انعام کی جو آگ مدت سے دبی ہوئی تھی پھر ابھری اور اس
نے سوچا کہ اتنے عرصہ تک خدا سے فرنٹ رہا۔ اس نافرمانی کا نتیجہ جو کچھ بھگتنا تھا بھگت لیا
عزت برباد اور نوکری غارت ہوئی، جائداد خالصے لگی، زیور اُف ہوا، سب ترکیبیں کر ڈالیں،
مگر کسی طرح قرضہ اترا نہ افلاس دور ہوا، اب بہتر صورت یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کروں
اور گناہوں کی معافی مانگوں، خدا کا خوف بچپن ہی سے دل میں بیٹھا ہوا تھا، کلیجہ سے
آتش عذاب کے دھوئیں کا نکلنا تھا کہ ندامت نے اس پر تیل چھڑکا، نہایا، پھٹے پرانے
کپڑے نکال کر اجلے پہنے اور جو سر برسوں سے لغویات کے چکروں میں پھنسا ہوا تھا، آج
مدت بعد سجدے میں گرا، سچے دل سے رویا، خشوع و خضوع سے معافی مانگی بلبلا بلبلا کر
التجا اور گڑگڑا کر منتیں کیں، تین ہی وقت کی نماز پڑھنے پایا تھا، دوسرے روز صبح کو ادھر فجر کا
سلام پھیرا ادھر بڑے میاں سلام علیک کہہ کر اندر داخل ہوئے، مشرکہ بیٹھی کلام اللہ پڑھ رہی
تھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور انعام کو لیکر باہر آئے، ادھر ادھر کی باتیں کیں اور کہنے لگے نہیں

دولت آباد کے ہاں پچاس روپیہ ماہوار کی ایک اسامی خالی ہے کام کم ہے اور تنخواہ معقول رئیس اچھا ہے اور سلسلہ مناسب شہر کے شہر میں رہنا کہیں جانا نہیں کہیں آنا نہیں پردیس کا کھٹکا نہ سفر کی زحمت، گرمی کی تکلیف نہ جاڑے کی آفت دو گھنٹہ کی محنت اور لمحہ بھر کی حاضری میں نے معاملہ طے کرلیا ہے چلو آمنا سامنا کرا دوں۔ ابھی ساتھ چلے چلو۔ اور کام شروع کردو۔

(۹)

انعام کی زندگی کے کارنامے یوں تو بڑے بڑے ہیں، مگر جس نے اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی پار لگادی۔ وہ صرف یہ اہتمام تھا کہ اس ملازمت کے بعد تنخواہ کا واسطہ بیوی سے نہ رکھا، مہینہ کے مہینہ تنخواہ اور اوپر کی آمدنی جو کچھ بھی ہوتی پیسہ پیسہ بیٹی کے ہاتھ میں لاکر دے دیتا لڑکی دیکھنے میں تو بچہ تھی مگر اس خوش اسلوبی سے گھر چلایا کہ سارا کنبہ دنگ رہ گیا، ایک چھ ہی مہینہ میں گھر کی کلا پلٹ دی، بیوی کی پچھلی میاں کا ٹھاٹ سب پلٹ گئے، جس گھر میں کوڑے کے تودے اور خاک کے انبار لگے رہتے تھے، اب وہاں دونوں وقت جھاڑو دالان میں دری اور کمرے میں چاندنی دکھائی دینے لگی، یا وہ کھانے کا یہ چلن تھا کہ بارہ اور ایک بجے تک سارا گھر نہار منہ بیٹھا ہوا ہے یا ادھر صبح آٹھ بجے کی توپ چلے ادھر مغرب کی اذان کے وقت کھانا بالکل تیار۔

یہی آمدنی تھی اور یہی خرچ ماں کے ہاتھ سو روپیہ آئے اور اکیلے دم پر ختم کردیئے۔ اب پچاس میں تین آدمی مکان کا کرایہ قرضہ کی قسط پھر بھی وقت بے وقت کے واسطے مشترکہ کچھ نہ کچھ لگا رکھتی، شاید پورا سال بھی نہ گزرا ہوگا۔ کہ گرمی کے موسم میں ایک روز وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی کہ آندھی زور شور سے اٹھی، آندھی کیا خدا کا قہر تھا کہ بڑے بڑے درخت اور سائبان جگہ سے اکھڑ گئے، چاروں طرف سے دھڑ دھڑ کے سوا کوئی آواز ہی نہ آتی تھی، ہاں مٹی اور خاک تھی کہ زبردستی منہ میں اور ہاتھ میں بدن میں اور مسامات میں گھسی جاتی تھی، اندھیر گھپ اور اس پر یہ مصیبت کلیجے دہل گئے، ہاجرہ نے پہلے تو آسمان کی طرف منہ کرکے تین دفعہ یہ کہہ کر پھونکا "آندھی بیوی کے دامن سے باندھی۔ مگر جب اس سے کام نہ چلا تو جھاڑو لاکر مشرکہ کو دی اور کہا بیٹی تو کنواری ہے جلدی سے یہ جھاڑو

سل کے نیچے دبادے کہ آندھی اتر جائے، مشرکہ ان توہمات سے ہزاروں کوس دور تھی، حکم ماں کا تھا انکار بھی نہ کرسکی، جھاڑو لے لی اور اچھا کہہ کر باورچی خانہ میں ڈال آئی دالان میں کھڑی آسمان کو دیکھ رہی تھی کہ روشنی دکھائی دی متعجب ہوئی کھڑی رہی، روشنی لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی یہاں تک کہ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، ڈر گئی اور سوچنے لگی کہ خبر نہیں کس بدنصیب پر مصیبت آئی، ساتھ ہی خیال آیا کہ یہ تو پھوپی جان کا گھر معلوم ہوتا ہے تڑپ اٹھی۔ انعام دن بھر کا تھکا ہارا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کیسی آندھی اور کس کی آگ مزے سے پڑا خراٹے لے رہا تھا، کہ بیٹی نے جا کر جگایا گھبرا کر اٹھا اور کہنے لگا کیا ہے۔

مشرکہ۔ ذرا اس روشنی کو دیکھئے، اس آندھی میں یہ کیا ہو رہا ہے۔

انعام۔ یہ تو کہیں آگ لگی ہے اور بہت زور کی ہے۔

مشرکہ۔ اندر گلی میں ہے۔ خدا کرے پھوپی جان خیریت سے ہوں۔

انعام۔ مجھے بھی وہیں معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ سائبان ان ہی کا ہے۔ خیر اب تم لیٹو صبح کو دیکھی جائے گی۔

مشرکہ۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی مجھے نانا ابا کے ہاں پہنچا دیجئے، میں اُن سے پھوپی جان کی خیر صلاح منگواؤں گی،

ناجرہ۔ بیٹی تو دوانی ہوئی ہے اپنے سے خوب خدا یہ باہر نکلنے کا وقت ہے بیچ اس آندھی میں کواری بیٹیاں باہر نکلیں، اسی میں تو جنوں کی سواری نکلتی ہے جس پر نظر پڑ گئی وہی گیا گزرا ہوا۔

مشرکہ۔ میں تو کلام اللہ پڑھ رہی ہوں اور پڑھتی ہوئی جاؤں گی مجھ پر کیا اثر ہو سکتا ہے

انعام۔ تم گھبراؤ نہیں میں جا کر دیکھ آتا ہوں۔

انعام دو تین قدم گیا ہوگا کہ گلی میں شور مچ رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ بہن بدنصیب کے ہاں آگ لگی ہوئی ہے، الٹے پاؤں لوٹ آیا، اور ایک کہی نہ دو چپکا اپنے بچھونے پر پڑ رہا مشرکہ آخر تھی کس باپ کی بیٹی خاموش دیکھ کر فوراً ہی تاڑ گئی، پوچھا نہ گچھا صرف اتنا کہا ابا جان آئیے مجھکو ذرا یہاں تک کر دیجئے، جبراً اور قہراً انعام ساتھ چلا مگر باہر نکلتے

ہی مشرکہ بڑے میاں کا گھر چھوڑ پھوپی کی طرف بڑھ گئی، آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے باپ وہاں پہنچے تو میدان حشر برپا تھا، بچوں کو ساتھ لئے علیحدہ کھڑی تھی، اور گھر کا کل اثاثہ برتن بھانڈا پٹری بستر آنکھوں کے سامنے خاک سیاہ ہو رہا تھا، لوگ بھر بھر کے لوٹے اور لا لا کر گھڑے ڈال رہے تھے، مگر پانی تیل کا کام کر رہا تھا، وہی تین گھنٹے میں گھر کی چیز بست تو الگ رہی، چھت کے کڑی تختے کواڑ اور چوکھٹیں سب راکھ ہو گئیں مشرکہ اس وقت تو چلی آئی، مگر رات آنکھوں میں کاٹ دی، صبح اٹھتے ہی نماز سے فارغ ہو جھاڑو بہارو دے دلا چٹکی بجاتے روٹی دال کھڑکی میں سے بڑے میاں کے ہاں اور ان کو ساتھ لے پھوپی پاس آئی پھوپی بیوہ تو نہ تھیں مگر زندہ میاں مردے سے بدتر تھے، اپاہج نہیں، بیمار نہیں، معذور نہیں، مجبور نہیں تھے، ہٹے کٹے موٹے تازے مگر بھلے مانس نے عمر بھر پیسہ کمایا ہی نہیں دن بھر میلے کچیلے کپڑے پہنے ادھر لیٹا ادھر لیٹ کبھی سو گیا، کبھی اٹھ بیٹھا، شام ہوئی اور کوٹ پتلون ڈانٹ کو لڑائی لگا لکڑی ہاتھ میں، رومال جیب میں سیر کو نکل کھڑا ہوا، ایک بیوی ہی کیا سارا کنبہ اور محلہ بے غیرت کو برا بھلا کہتا، لڑکپن جوانی سے اور جوانی بڑھاپے سے بدل گئی، مگر اس کے ڈھنگ نہ بدلے، آٹھ سات روپیہ کا کرایہ تھا چار روپیہ مہینہ بیوی کے میکے سے آتا، اسی میں شتم پشتم گزر ہو جاتی تھی، میاں لباس میں تو انگریز اور دیکھنے میں صاحب بہادر تھے، مگر خصلت میں اور عادت میں کمتر بلکہ بدتر سے بدتر، ایک دن دوپہر کے وقت اب سے کوئی پندرہ روز پہلے بیٹھے حقہ پی رہے تھے کہ ایک فقیر نے صدا دی اور با آواز بلند کہا، اس گھر پر مصیبت آنے والی ہے، ادھر صاحب بہادر کے تو منہ چڑھے فقیر نے کڑک کر کہا تین مہینے کے اندر برباد ہو جائے گا "ابراہیم کی خیر نہیں" گھر سے جنازہ نکلے، ناگہانی موت آئے، ایک کفن سر سے باندھ اور سوا روپیہ نقد دے کے آگے تو جان، صاحب بہادر کے تو سنتے ہی ہوش اڑ گئے، فقیر کو ٹھہرا اندر آئے اور بیوی سے کہا وہ جو گھی کا روپیہ رکھا ہے اس کو دے دو اللہ خیر رکھے منجھلے بچے کا نام صاف لے رہا ہے کہ ابراہیم کی خیر نہیں،

بیوی ایسے ایسے فقیر بہت سے دیکھے ہیں ایسے غیب دان ہوتے تو در در بھیک مانگتے

میاں دیکھو پھر پچھتاؤ گی ایک روپیہ بڑی چیز نہیں ہے فقیر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے

آجتک اس کی صورت اس محلہ میں نہیں دیکھی۔

بیوی۔ معاف کرو میں ایسے چکموں میں آنے والی نہیں۔

فقیر باواز بلند۔ اچھا بابا جاتے ہیں یاد رکھ بھول مت،

بڑے میاں تو مشرکہ کو چھوڑ افسوس کرتے ہوئے چلے آئے وہ پھوپھی پاس بیٹھی تسکین دے رہی تھی کہ پھوپا صاحب بہادر بولے، بیٹی تقدیر کا لکھا پورا ہوا، ہاتھ کل گئے نہیں تو کوئی پندرہ روز کا ذکر ہے کہ ایک بزرگ صاف کہہ گئے تھے کہ تین مہینے کے اندر مصیبت آنے والی ہے، کچھ زیادہ نہیں سوا روپیہ مانگ رہے تھے تمہاری پھوپی نے نہ دیا دیتیں کہاں سے اور نکلتا کیونکر مقدر میں تو یہ تباہی لکھی تھی،

مشرکہ۔ تو کیا وہ غیب دان تھے؟

پھوپا۔ غیب دان کیا اللہ والے تھے ہم جیسے دنیا کے کتوں سے ہزار درجہ افضل تھے

بیوی۔ اب یہ وقت بحث کا تو نہیں ہے اللہ بچہ کی جان بچالے، خیر نہیں کس طرح جوڑ جاڑ بچی کے دو کپڑے کئے تھے ہاتھ جھاڑ کر ہو بیٹھی، چیتھڑا تک نہ رہا، دو چار برتن رہ گئے تھے وہ بھی نہ رہے۔

میاں۔ میں تو یہی کہونگا کہ اگر سوا روپیہ دے دیتیں، تو کچھ بھی نہ تھا تم نے جان بوجھ کر آگ لگوائی۔

بیوی۔ خدا کے واسطے چپکے رہو، کیوں جلی کو جلاتے ہو۔

میاں۔ اچھا اب اس بچے کا تو کچھ فکر کرو، ہسپتال بھیجتی ہو، حکیم کو دکھاتی ہو۔

بیوی۔ میرے پاس کیا رکھا ہے جو ڈاکٹر کے ہاں بھیجوں یا حکیم کے ہاں دو روپیہ صندوقچی میں تھے وہ گئے گزرے ہوئے،

آگ لگنے کی واردات اس طرح پیش آئی کہ نکھٹو صاحب بہادر بیوی کے چیخنے پیٹنے کہنے سے نوکری کی تلاش اور فکر معاش میں ادھر ادھر علی الصباح نکل جاتے تھے فقیروں کے معتقد تھے یہ سلسلہ بھی موجود تھا۔ کسی بزرگ نے دس روپیہ اینٹھ کر چراغ پر نقش لکھ دیا تھا کہ اس کو جلاؤ، اور اتنا خیال رکھو کہ نظر اس پر سے ہٹنے نہ پائے گرمی کے دن تھے بدنصیب اندر کے دالان میں چارپائی پر سویا اور سامنے طاق میں چراغ رکھا پہلونٹی کا بچہ

ابراہیم زیادہ ہلا ہوا تھا۔ بہتیرا ماں نے بہلایا مگر نہ مانا اور باپ ہی سے لپٹ کر گھنٹس میں سویا
اکی غفلت تھی اور باپ کی عنایت کہ چراغ بچے کے سرہانے تھا پھول جیڑا اور جھڑا برابر کے
صندوق پر جیپڑکی لکڑی گرمی کے دن دم بھر میں تو آگ کہیں کی کہیں تھی، شعلوں نے بچے
کے بال اور کنپٹی جھلس دی۔ تو باپ کی آنکھ کھلی، گھبرا کر اٹھے، بچہ گود میں لیا، اور سٹ پٹا کر
بھاگے، نیند اس بلا کی تھی کہ بچہ بلکتا رہا، اور باوا جان چادر تان پڑ کر سو گئے، کہیں آدھی
رات کے قریب جب آندھی نے قیامت ڈھائی، تو دونوں میاں بیویوں کی آنکھ کھلی، بچہ
روتے روتے بیہوش ہو گیا تھا، پانچ ساڑھے پانچ سال کا بچہ بدنصیب کو خاک
خبر نہ ہوئی اکہ ماں کے ساتھ ماتا پر بھی چھری چل گئی، صبح ہو چکی تھی کہ ماں کی نگاہ بچہ کے چہرہ
پر پڑی تڑپ گئی چمکارا ہشیار کیا گود میں لیا، دیکھتی ہے تو ایک آنکھ اور کنپٹی کا حصہ
کالا بھجنور بچہ گود میں تھا اکہ مشرکہ پہنچی اور میاں نے یہ گفتگو شروع کی۔ حکیم اور
ڈاکٹر کا نام سنکر آگ لگ گئی، میاں نے جب کورا جواب سن لیا، گردن نیچی کر خاموش
ہو گئے، کوئی دو لمحہ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ کان میں یہ آواز آئی،

"دے دے جب نہ دیا اب دے"

میاں۔ دیکھو یہ وہی میاں صاحب ہیں جو پہلے سے خبر دے گئے تھے،

بیوی۔ اسی بے ایمان نے آگ لگائی ہے کوئی سمجھدار آدمی ہو تو ابھی گرفتار کرا دے
اب اپنا رعب بٹھانے آیا ہے،

میاں خدا کے واسطے زبان بند کرو یہ کچھ تو کر چکیں، دیکھئے اور کیا کرنا ہے تمہارے
ان بڑے بولوں سے مجھے بچہ کا ڈر لگ رہا ہے۔

بیوی۔ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے یہ پیر اور فقیر سب جھوٹے ڈھکوسلے ہیں،

فقیر دے دے جب نہ دیا اب دے دکڑک کر، یاد رکھ بھول مت دے دے
جب نہ دیا اب دے،

میاں۔ خدا سے کیوں پھرتی ہو وہ نہیں مگر برا بھلا تو نہ کہو، شاہ صاحب اس
وقت تو معاف فرمایئے برکت ہے۔

بیوی۔ شاہ صاحب نکل آئے ہیں پیسہ پیسہ بھیک مانگتے پھریں، کسی کو بہکائیں کسی کو

دھوکہ دیں، مگر ان کا کیا قصور جب ہم لوگ ان کے دھوکوں میں آتے ہیں تو اُن کی ہمت بڑھتی ہے۔ غضب خدا کا مرد ہو کر ایسے مذہب اور مسلمان ہو کر ایسے کچے کہ ایک بدمعاش کو خدا سمجھیں،

میاں۔ خدا تو اپنی جگہ ہے، خدا کون سمجھتا ہے، مگر اس کو ابراہیم کہاں سے معلوم ہو گیا۔ خدا کو دیکھا نہیں آنکھوں سے پہچانا، اب بھی کچھ دے دلا کر رخصت کرو،

بیوی میں تو دھکے دیدوں بدمعاش کو اور رکھا ہی کیا ہے جو دیدوں آٹا نہیں، چٹکی نہیں پیسہ نہیں دھیلا نہیں، کپڑا نہیں لتہ نہیں، یہ بدن کے کپڑے موجود ہیں، دوپٹہ کھو دوں،

فقیر دے ٹے جٹ دیا اُسے یاد رکھ بھول مت دے دے جٹ دیا اب دے،

میاں۔ شاہ جی اس وقت تو معاف فرمایئے، کچھ حاضر نہیں دعا کیجئے کہ اللہ میرے بچہ کو بچالے،

فقیر۔ اچھا بابا غورا شاہ کی درگاہ میں آیو،

صبح سے دوپہر ہوگئی، ابراہیم چار برس کا بچہ لوتھ پڑا تھا اور ماں کے ساتھ مشترکہ سرہانے بیٹھے دو نوا اللہ اللہ کر رہے تھے، میاں کی تو خبر نہیں کہ انہوں نے یا ہر جا کر کیا چٹ کیا مگر گھر میں تو چاروں بچے بیوی اور ایک مشترکہ نہار منہ بیٹھے تھے، پیسہ پاس ہوتا تو کھانا بنتا تو درکنار پہلے تو بچہ کی دوا تھی، مگر معصوم کو وہ بھی نصیب نہ ہوئی، دو تین دفعہ پھوپی نے کہا مشترکہ بیٹی تم جا کر کھانا کھاؤ، مگر اس کی طبیعت نے گوارا نہ کیا، کہ پہلو اسے لال بلوں بلوں کرتے پھریں، اور وہ جا کر پیٹ بھرلے ظہر کی نماز پڑھ کر اٹھتی تھی کہ پھوپا صاحب بہادر اندر آئے اور کہا ننھا کچھ ہشیار ہوا۔

مشترکہ جی نہیں یوں ہی بے سرت پڑا ہے بخار اس غضب کا ہے کہ ہاتھ نہیں دھرا جاتا،

پھوپا۔ خیر بخار کا تو علاج ہوگیا اللہ مالک ہے اب اُترا۔

بیوی پیسہ کا شربت تک غریب کو نصیب ہوا نہیں، دوائی نہیں، ٹھنڈائی نہیں بخار کیونکر اُتریگا کوئی تعویذ لے آئے ہوگے،

میاں تم تو خدا سے فرنٹ ہوگئی ہو، اس کا نتیجہ بھگت رہی ہو بھگت لیا اور بھگتو گی،

مگر اپنے ساتھ مجھے کیوں لپیٹا تمہارے گناہوں کا عذاب بھگتنا مجھے پڑے، تعویذ اللہ کا نام نہیں ہے، جو چندرا کے پوچھتی ہو، میں تو پونے دو روپیہ کی فکر میں تھا خدا کا شکر ہے مل گیا۔ بھیڑے کے گلے میں تعویذ بندھے گا، رات بھر بھیڑا سرہانے رہے صبح ہی اللہ چاہے بچہ اچھا ہو جائے گا۔

مشرکہ۔ جناب بھیڑے سے مقدم تو ڈاکٹر اور حکیم ہے ملاحظہ تو کیجیے رات سے یہ وقت ہو گیا، بات بھی تو نہیں کرتا،

بیوی بیٹی عمر اسی پٹنے میں گزری، گھر میں فاقہ ہو تو بلا سے مگر ان مشٹنڈے فقیروں کی دعوت میں فرق نہ آئے، بچہ سسک رہا ہے۔ زبان بند، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے مگر حکیم تک جانا نصیب نہیں ہوا۔ ہاں بھیڑے کے لئے دام آ گئے،

میاں یہ تمہارے دام تو نہیں ہیں میں قرض لایا ہوں جو علاج میری سمجھ کا ہے میں کرتا ہوں جو تمہاری سمجھ کا ہے تم کرو۔ لاؤ دام دو جہاں کہو وہاں لے جاؤں،

چار پہر کی رات اور تین پہر یہ دن کے بچہ سات پہر سے ایک کروٹ پڑا ہوا تھا۔ ما اس قماش کی ماں نہ تھی کہ چیخنا پیٹنا شروع کر دیتی، خاموش تھی مگر آنکھ سے آنسو نہ تھمتا تھا، بات چیت کر رہی تھی مگر کلیجہ اندر سے امڈا چلا آ رہا تھا۔ مشرکہ کی عمر اس وقت مشکل سے گیارہ برس کی تھی، کہنے کو تو وہ بچہ تھی مگر ماں کی آزادی اور باپ کی بربادی دیکھ چکی تھی۔ خود دیکھی، بڑے میاں نے دکھائی، اس کی بھی آنکھیں نہ کھلتیں تو کس کی کھلتیں، لڑکی ہیرا تھی جس کی چمک کوارپتے ہی کے زمانے میں دمکنے لگی، ڈولی منگوا کر گھر آئی تو ماں نے فضیحتیاں شروع کیں، سنتی رہی اور خاموش رہی، وہ بگڑ چکی تو باپ نے کہا بیٹی صبح سے بھوکی بیٹھی ہو، روٹی پڑی جھک مار رہی ہے۔

مشرکہ۔ جی ہاں کھاتی ہوں، ابا جان کیا عرض کروں مجھے تو بالکل بھوک نہیں پھوپی جان کے ہاں کی حالت خدا دشمن کو نہ دکھائے۔ گھر تو برباد ہوا ہی تھا بچہ بھی خدا ہی ہے جو بچے۔ صبح سے روتے روتے یہ وقت آ گیا، پیسہ پاس نہیں جو ڈاکٹر کے ہاں بھیجیں، آپ اور بچے سب بھوکے بیٹھے ہیں کوئی عزیزوں میں بھی اتنا نہیں کہ اس وقت سہارا دے دے،

انعام - میں ضرور مدد کرتا مگر تنخواہ میں ابھی سات دن پڑے ہیں۔
مشترکہ - اگر آپ مدد سے متفق ہوں تو میں کچھ بندوبست کروں۔
انعام - بندوبست کیا کرو گی، قرض لینا پڑیگا۔ چھو پا دے تو دیں گے، مگر آخر مہینے میں پھر ہمیں دقت ہوگی، آخر تمہاری رائے میں کیا دینا چاہیئے، ایک آدھ روپیہ تو خیر اس سے زیادہ کی ہمت نہیں ہے۔
مشترکہ - اگر آپ کو قرض نہ لینا پڑے تو آپ کہاں تک مدد دے سکتے ہیں،
انعام - بیٹی مجھے مفت دینے والا کون بیٹھا ہے۔
مشترکہ - جس خدا کو آپ دیں گے،
ہاجرہ - بیٹی تمہاری پھوپی خدا کب سے ہوگئیں،
مشترکہ - اباجان بندہ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ نعوذ باللہ مگر خدا کے حاجتمند بندوں کی خدمت خدا ہی کی خدمت ہے۔ یہ حدیث ہے میری رائے نہیں، پھوپی جان سے زیادہ اس وقت حاجتمند کون ہوگا، آٹھ پہر صاف نکل گئے، اور معصوم بچوں کے منہ میں کھیل کا دانہ تک نہیں گیا، بچہ گھر میں پڑا ہے، اور کسی سے یہ نہ ہوسکا کہ جھوٹ موٹ آکر خیر صلاح پوچھ لیتا، صد آفرین پھوپھی جان کو مردے کو کلیجے سے لگائے پڑی ہیں، چاند سے چہرے مٹھی بھر چنوں کو ترس رہے ہیں۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتیں، شاباش ہے اس محلہ پر کہ مسلمان پڑوسی پر یہ کچھ گزر جائے۔ اور خبر تک نہ ہو، مشٹنڈے بھک منگے پیر فقیر نقدیاں اڑائیں، اور معصوم فاقے سے دن بسر کریں، اباجان آپ ہی کی تنخواہ میں سے کچھ بچا بچایا میرے پاس موجود ہے اور اس کا صرف اس سے بہتر نہیں ہوسکتا مسں ڈیوڈ غیر مذہب غیر قوم غیر وطن جان نہیں، پہچان نہیں، مگر صرف یہ سنکر کہ ایک گھر پر مصیبت آئی، دو دفعہ آچکی ہے۔ کہ کسی طرح عیسائیوں کے ہسپتال میں لے جائے، مگر اللہ غنی پھوپی جان کے صبر پر دو تو دفعہ صاف کہدیا مس صاحب آپ کی عنایت کا شکریہ مسلمانوں کا محلہ مسلمان کا بچہ ہم ابھی ایسے گئے گزرے نہیں ہوئے کہ آپ کی مدد طلب کریں، اگر وہ چلی جاتیں یا بچہ کو بھیج دیتیں تو سمجھو یا نہ سمجھو، کنبہ بھر کی ناک کٹ جاتی،

انعام۔ پھپی اللہ تیری عمر دراز کرے جو تیرے پاس ہے تو شوق سے لیجا اور دیدے

مشترکہ۔ میں چھوٹی ہوں میرا دینا مناسب نہیں، آپ اُن کے بزرگ ہیں آپ اپنے ہاتھ سے دیجئے۔ جو کہئے وہ لادوں،

انعام۔ تمہارے پاس جمع کتنی ہے یہ تو بتاؤ۔

مشترکہ۔ آپ جو کچھ دیں وہ فرمائیے اللہ دے گا۔

انعام۔ کم سے کم دس روپیہ تو دوں۔

مشترکہ۔ بہت اچھا ابھی حاضر کرتی ہوں۔

اتنا کہہ کر مشترکہ جھپاجھپ کوٹھری میں گئی اور دس روپیہ چھن چھن گن دیئے، باپ نے سر کو بوسہ دیا، ماں سناٹے میں رہ گئی، انعام نے جاکر بھن کو روپیہ دیئے، اور تھوڑی دیر بعد ایک رومال میں کچھ آٹا باندھ مشترکہ بھی پہنچی،

پھوپی بدنصیب روپیہ ہاتھ میں آتے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ بھائی بھاوج کی نہیں، بھتیجی کی عنایت ہے، مشترکہ کے اُترتے ہی بے ساختہ دل سے دعا نکلی، مگر ضبط کیا، اور ان آنسوؤں کو جو فرط محبت سے نکلے تھے، پی گئی، بچہ میں لے جانے کی حالت نہ تھی ڈاکٹر کو گھر پر بلایا دیر پر بگڑا، غفلت پر خفا ہوا اور مجبوری پر خاموش ہوگیا، دوادی مرہم دیا علاج کیا تسکین دی اور چلا گیا۔

بچہ تھا تو سیانا، مگر ہوش ہی نہ تھا کہ اٹھ کر دوا پیتا، یہ موقع بھی دیکھنے والوں کے لئے عجیب ہوتا ہے، وہی ما جو بچہ کی ایک ہوں سے بے چین اور پھانس سے مضطرب ہوجاتی تھی قصائی بنکر زبردستی دوا حلق میں ڈال رہی تھی، دس بجے رات کے دوسری خوراک دی گئی، بچہ نے ذرا آنکھ کھولی، بچہ کا آنکھ کھولنا تھا، کہ مصیبت زدہ ما کو عید ہوگئی! ماں تا بھی کیا چیز ہے۔ مکان کی مصیبت فاقے کی اذیت دن بھر کی کلفت سب بھول بسر گئی، جھکی پیار کیا، بچہ نے پانی مانگا، پانی دیا، اب ذرا جان میں جان آئی تو ان معصوموں کا خیال آیا، جن کو روٹی کی صورت دیکھے بارہ پہر ہوگئے تھے اور ایک ایک کا منہ حسرت سے تکتے ہوئے سو گئے،

اطمینان ہوا تو مشترکہ نے کہا پھوپی جان میرے پاس تھوڑا سا آٹا ہے ایے

آپ کہاں منگوائیے گا، رات زیادہ آگئی، میں دال چڑھا کر روٹی ڈالدیتی ہوں۔

پھوپی۔ اے ہے میری بچی تو کہاں تکلیف اٹھائے گی، میں اُٹھتی ہوں،

مشترکہ۔ نہیں اچھی پھوپی جان آپ یہاں بچہ کے پاس بیٹھیے میں ابھی تیار کرتی ہوں۔

پھوپی منع کرتی رہی اور مشترکہ نے اٹھ جلدی سے اٹھ دال دھو پتیلی رکھ آٹا گوندھ توا چڑھا دیا، بھیڑا سرہانے بندھا ہوا برابر میں میں کر رہا تھا، اور فاقہ زدہ بچوں میں سے جس کی آنکھ لگ جاتی تھی اسی کو اٹھا بٹھاتا تھا، رات کے دس بجے ہوں گے جو مشترکہ کھانا پکا کر لائی، بچوں کو کھانا کھلایا، پھوپا صاحب بہادر کے آگے رکھا اور آپ پھوپی کے آگے لیکر بیٹھی،

جب چڑیا کے بے زبان بچے جن میں طاقت پرواز اچھی طرح نہیں ہوتی، پہلی مرتبہ اپنے ننھے ننھے پروں سے کام لیتے، اور ماں باپ کے ساتھ گھونسلے سے باہر آتے ہیں، اس وقت دفعتہً ظالم کوا آن پڑتا ہے اور اس سے پہلے کہ ماں باپ کی آنکھ کے سامنے اپنے ظالم پنجہ میں رکھ لے، اتفاق سے کوئی شخص اُسے اڑا دیتا ہے، اور اس طرح کمزور مخلوق طاقتور کے دست اجل سے محفوظ ہو جاتی ہے، تو گو ماں باپ شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے، مگر معصوم چیں چیں میں جب وہ پھڑ پھڑا کر اس شخص کو دیکھتے ہیں، شکریہ کے وہ تمام لفظ پنہاں ہوتے ہیں جو ایک آدمی ادا کرتا ہے، اسی طرح اس وقت پھوپی کی نگاہ مشکو کے چہرہ پر تھی، اور گو اس نگاہ میں قوت گویائی نہ تھی، مگر اظہار شکریہ کی مجبوری اور احسان کا اعتراف ظاہر تھا، انتہائے محبت میں اس نے ہاتھ بڑھا کر بھتیجی کے گلے میں ڈال دیا، اس کا سر اپنے قریب کیا، سینہ سے لگایا اور یہ کہکر کہ اللہ صاحب نصیب کرے کھانا کھانے بیٹھ گئی،

رات جوں توں گذری، بچہ کئی دفعہ ہشیار ہوا بخار ہلکا تھا صبح ہوتے ہی بھیڑ ذبح ہو گوشت تقسیم ہوا، ظہر کی نماز کے بعد جب بچہ کی حالت بہتر تھی اور مشترکہ گھر جانے کو تیار، صاحب بہادر نے کہا دیکھو ایک ہی تعویذ میں لڑکے کی حالت کیا سے کیا ہے،

مشترکہ۔ آپ جیسے بزرگ کے سامنے میرا کچھ عرض کرنا یقیناً گستاخی ہے، مگر آپ کے اس عقیدے پر مجھے ہنسی آتی ہے کہ وہ موٹی موٹی باتیں جو ہر شخص آسانی سمجھ سکتا ہے، آپ اُس پر توجہ نہیں فرماتے، میں اچھی طرح واقف ہوں، کہ صدقہ اور خیرات خدا کا غصہ ٹھنڈا کرنے بلا کو دور کرنے اور مصیبت کو ٹالنے کا سب سے اچھا ذریعہ ہے بشرطیکہ وہ سچے دل پکے عقیدے نیک نیت اور صاف طبیعت سے کیا جائے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے اپنی کوششوں سے دست بردار ہو جائے، کوئی عقل اس کو گوارا کوئی رائے اس کو صائب، اور کوئی خیال اس کو سچا نہیں سمجھ سکتا، کہ انسان تقدیر کے بل پر تدبیر سے غافل ہو جائے، آپ کا یہ بیڑا اگر خدا کی راہ پر تھا تو اس کے سرہانے بند ھنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی، یہ اگر بندگانِ خدا اور حاجتمندوں کی خدمت تھی تو گلے میں تعویذ بندھنے کا سبب معلوم نہ ہو سکا، مجھے بزرگوں کی دعاؤں سے انکار نہیں، لیکن پھوپا جان جس دربارے اپنے محبوب کو بعض معاملات میں کورا جواب مل جائے، ماں کی مغفرت کی التجا کریں اور پتہ نہ چلے کہ مقبول ہوئی یا نہیں، جس سرکار سے ایک تیوری کا بل اندھے کی حمایت میں پیغام عتاب کیوجہ نزول ہو جائے: اُس کی باتیں اُسی کو سزاوار ہیں، یہ چھوٹی موٹی باتیں معمولی قصے قضیئے غور سے دیکھئے تو مذہب کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ اور شرک کا ایسا پہاڑ سر پر بٹھا دیتے ہیں، جو نہ اٹھائے اُٹھے نہ سرکائے سرکے، غور کیجئے اور سوچئے کہ آپ کا پاک مذہب کیا ہے اور سچے مسلمان خدا اور رسول میں کیا فرق سمجھتے تھے جس وقت سرورِ دو عالم ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے ایک دفعہ غلط فہمی کی وجہ سے مکدر ہو گئے ہیں، اور خدا نے وحی کے ذریعہ سے اُن کی برات فرمائی تو یہ وہ وقت تھا، کہ ام المومنین سخت بیمار تھیں، اُن کی والدہ نے فرمایا جاؤ اور رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو انہوں نے اُس کو جواب دیا کیوں رسول اللہ کا شکریہ کیوں ادا کروں، شکریہ اُس خدا کا نہ ادا کروں، جس نے مجھ پر رحم فرمایا، جو بات بظاہر کوئی وقعت نہیں رکھتی، وہ شرک کے درجہ تک پہنچکر آدمی کو برباد کر دیتی ہے، سنا تو یہ تھا اور دیکھا بھی یہی ہے کہ عورتیں اس جھگڑے میں زیادہ گرفتار ہوتی ہیں۔ مگر آج میں الٹی بات دیکھ رہی ہوں کہ آپ

مرد ہو کر اس چکر میں پھنسے ہوئے ہیں،

پھوپا صاحب بہادر تم بھی ہو دو چار کتابیں پڑھ کر یا مولانا حق داد کی صحبت میں رہ کر ایسی فاضل ہو گئیں کہ ہم کو سبق دینے لگیں،

مشرکہ۔ جی نہیں توبہ توبہ میں آپ کو کیا سبق دوں گی، میں نے تو ایک بات عرض کی تھی،

(۲۰)

انعام کی مالی حالت اصلیت پر تو ابھی نہ پہنچی تھی، اور نہ پہنچ سکتی تھی مگر بہت کچھ درست ہو گئی تھی، دروازے پر گھوڑا تو نہ تھا، مگر گھر میں ماما ضرور تھی، مکان گھر کا اتنی جلدی تو کیا ہو جاتا، مگر قرینہ کا اسباب ڈھنگ کا بچھونا ضرورت کی چیزیں موجود تھیں دو چار زیور لڑکی کے اور ایک آدھ ماں کے پاس بھی ہو گیا تھا، سو پچاس روپیہ گھر میں رہتا تھا، قرضہ کی قسط بھی تو کر دی اور پھر بیس روپیہ ماہوار کی کٹوتی کچھ کم نہ تھی مگر خدا بھلا کرے مشرکہ کا کہ کوار پتے میں ماں باپ کے واسطے فرشتۂ رحمت ہو گئی، اور جو باپ ہمیشہ کے لئے نکو اور ماں سدا کے واسطے کنوڈی ہو چکی تھی، ان کو پھر ایک دفعہ آدمیوں کے زمرہ میں ملوا دیا، اس کی قابل فخر زندگی اور لائق قدر کارنامے اپنے ہی گھر تک محدود نہ تھے، دوست دشمن اس کی نظر میں اپنا پرایا اس کی نگاہ میں عزیز و غیر اس کے نزدیک سب ایک تھے، بڑے میاں کی زندگی کا یہ آخری کارنامہ تھا، کہ انعام اور ہاجرہ جیسے ماں باپ کی بچی سارے کنبہ کا مول اٹھی، عزیز اس پر جتنا ناز کرتے، بجا کنبہ پر جس قدر فخر کرتا جائز باپ اس پر جتنا کچھ گھمنڈ کرتا سچا اور ماں اس پر جتنا بھی اتراتی درست، لڑکی دیکھتے ہی دیکھتے گڑ سی کی بیل کی طرح کہیں سے کہیں پہنچ گئی، چاروں طرف سے پیام آنے شروع ہوئے، مگر اس معاملہ کا اختیار بڑے میاں پر تھا، اور وہی ازابتدا تا انتہا مختار تھے، مگر تقدیر کی بات تھی کہ ایک زوالہ کچہری کا زہر قاتل ہو گیا، خاصی اچھی طرح کھا کر اٹھے، ہاتھ دھوئے، گلی کی نماز کو جا رہے تھے، کہ سینہ میں کسک معلوم ہوئی، درد اٹھا بخار چڑھا ڈاکٹر حکیم تو میں سب آ گئے، مگر درد کو افاقہ نہ بخار کو جنبش، تین دن اور تین رات اسی طرح

گزرے، بڑے میاں گو بڑے ناطے تو تھے نہیں، پوری عمر کے آدمی بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں کچھ نہیں تو کوڑی بھر اپنی اولاد، اولاد کی اولاد موجود تھی، اور نیچے بھی آج کل کے نہیں اگلے زمانے کے صورت کے عاشق چہرے کے شیدا کسی نے پٹی نہ چھوڑی مگر ان سب سے زیادہ مشکل تھی کہنے کو تو دور کی رشتہ دار لیکن اپنے سوجاتے مگر اس کی پلک سے پلک جھپکنا حرام تھی، رات کو جب سناٹا ہوتا تو ان احسانوں کو یاد کرتی جو بڑے میاں نے کئے، اس وقت دل خود بخود گواہی دیتا، کہ گھر تباہ اور ختم اور عزت برباد ہو چکی تھی، مگر صرف ایک دم نے جب بہن اور بھائی سب کنارے ہوئے مسیحائی کی، جہاز بھنور میں تھا، گھٹا چھائی ہوئی تھی، بادل کڑک رہا تھا، بجلی چمک رہی تھی، برسات کا موسم اندھیری رات اور سوائے خدا کی ذات کے کوئی آسرا نہ تھا، اس وقت یہ شخص تھا جس نے بیڑا پار کیا، اور ہم صحیح سلامت کنارے پر پہنچے، اب یہ محسن جدا ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ آج ہم تینوں یتیم ہوتے ہیں، یہ خیالات پیدا ہوتے ہی ان کے تلوے اپنی آنکھوں سے ملتی، شاید چوتھی رات کا ذکر ہے، مشکل اسی طرح قربان ہو رہی تھی کہ بڑے میاں نے آنکھ کھولی، پانی مانگا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا،

ناصرہ بیٹی میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ پریشان اور حد سے زیادہ رو پیٹ رہی ہو، مگر میری جان موت پر بے صبری ناشکری کا ثبوت اور خود غرضی کی علامت ہے، مجھے افسوس ہے کہ جتنی تربیت میں تمہاری کرنا چاہتا تھا اتنی نہ کر سکا، یہ میرا آخری وقت تھا اور وہ وقت جب خود میری زندگی مجھ کو دوبھر تھی پھر بھی کیا جو ہو سکتا تھا، اور کرتا رہا جو ممکن تھا تم اس شخص کی پوتی ہو، جو میری عمر کا رفیق، برابر کا بازو اور سچا دوست تھا، اور جس کی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ تھا، تمہارے ماں باپ اپنے ہاتھوں رسوم کے پیچھے دین اور دنیا دونوں سے گئے گزرے ہوئے، میں اب تک ان کی حالت میں اصلاح نہیں دیکھتا، مگر وہ تو اپنی بھگت چکے، ان کی دنیا ختم کے قریب اور انجام کے پاس ہے، مجھے رونا تمہارا ہے کہ کہیں یہ چکر تم کو نہ پھنسا لیں، اور دنیا کے ساتھ بدنصیب اور کمبخت باپ کی طرح تمہارا دین بھی رخصت نہ ہو جائے، مجھ میں بولنے کی ہمت اور طاقت نہیں، جب تک زندہ ہو یہ خیال رکھنا کہ شرک کے قریب نہ جاؤ، مکار پیروں سے بچنا اور اس لئے زندہ

رہنا کہ اسلام پر خاتمہ اور نیکوں کے ساتھ حشر ہو، یہ وظیفہ ہمیشہ پڑھنا، توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین سچ پوچھو تو تمہاری عمر کی ابھی ابتدا نہیں ہوئی تمہاری زندگی ابھی وہ کونپل ہے جو چھوٹی تک نہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب تم اس دنیا میں شریک ہوگی، اس کونپل میں بھی پھول آئیں گے، اور اگر زندگی ہے تو وہ وقت بھی دور نہیں جب اس درخت کا سایہ دور دور پھیلے گا، بہت سے خدا کے بندے اس کے متعلق ہوں گے، کچھ معصوم روحیں ہوں گی تھوڑے سے دنیادار انسان ہوں گے جنکی دنیا تمہارے دم سے اور زندگی تمہاری ذات سے وابستہ ہوگی، تمہاری یہ عمر آزادانہ اور یہ دن بیفکری کے ہیں، مگر وہ وقت سمجھداری کا اور وہ زمانہ ذمہ داری کا ہوگا، اس زندگی میں تم کو ایک دولت ملیگی، جو اپنے سے زیادہ عزیز اور ایمان سے بڑھکر بھاری ہوگی، یعنی وہ چیز جس پر خدا اپنے بندے کو آزماتا، اور وہ کسوٹی جس پر مالک اپنے غلام کو کستا ہے۔ اور جو اولاد کی صورت میں عورت کے سامنے آتی ہے، یہ وہ شے ہے جس کی محبت میں عقل دیوانی اور آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں، یہ ہے وہ رستہ جہاں انسان گمراہ ہوتا ہے خدا سے بھٹکتا ہے، آنکھ پر پتھر پڑتے ہیں، آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، اور زبان سے کلمہ پڑھنے والیاں جن کی زندگی کا دارومدار صرف ان الفاظ پر ہوتا ہے، خدا ایک ہے سینکڑوں خداؤں کی پرستش کرتی ہیں، قبروں پر جاتی ہیں، عرسوں میں شریک ہوتی ہیں، اور اس زندگی کیساتھ اس زندگی کا بھی ناس کردیتی ہیں، خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جو ان خاردار جھاڑیوں اور پیچیدہ وادیوں سے پھول کی طرح گزرجائیں، اور یہ پل صراط ان کو صراط مستقیم پر پہنچا دے، میری ماموں زاد بہن کا ذکر ہے، وہ زندہ نہ ہو مگر اس کے دیکھنے والیاں ابھی زندہ ہیں، یہ بیوی دنیاوی راحتوں اور عیش و عشرت سے مجبور تھی یا معذور مگر جنت کی حور تھی، جس کی قبر پر آج بھی نور برس رہا ہے، وہ ٹھنڈیوں میں آرام کرنے والی ظاہری آنکھوں سے پنہاں ہوگئی، مگر ایسے کام چھوڑ گئی، کہ مجھ جیسے بیسیوں اس پر فخر کرتے ہیں، باغبان قدرت نے صرف ایک پھول اس کی تقدیر میں لکھا تھا، اور یہی ثمر حیات اسکی زندگی کی تمام کائنات تھی، جس وقت یہ بچہ جوان ہوا ہے، اور اس کی شادی کی تیاریاں ہوئیں تو میں کہہ نہیں سکتا، کہ ماں کے دل کی کیا کیفیت تھی، اور اس کا باغ باغ چہرہ

کیا بتا رہا تھا، برات میں دھوم دھام تو نہ تھی، مگر اس شادی کا ہر ذرہ نکاح کی غایت اور اسلام کی عظمت کا پتہ دے رہا تھا، دولھا کی ماں کہنے کو تو عورت تھی مگر سنت رسولؐ کو جس طرح اس نے سمجھا، اچھے اچھے مرد اس کو مشکل ہی اتنا سمجھ سکیں گے، جب نکاح ہو چکا ہے تو آسمان ابر آلود تھا، جھاوٹ کے دن تھے، اس خیال سے کہ مینہ زیادہ نہ آجائے جلدی جلدی چلنے کی تیاریاں ہوئیں، جہیز زیادہ تھا مگر جس طرح ہو سکا ٹھیک کر کرا کر دولھا اپنے گھر چلا آگے آگے مشکی گھوڑے پر وہ پیچھے پیچھے دلہن کی پالکی اس کے بعد جہیز اور براتی سب بمد نہیں گاڑیوں میں تھیں، مگر صرف دولھا کی ماں الگ ایک ڈولی میں بیٹھی جیب میں سے اپنے دولھا کی صورت دیکھ رہی تھی، ہاتھ میں تسبیح اور اس طرح یہ بیوی اپنے خالق ذوالجلال کا جس نے یہ خوشی کا دن دکھایا، شکریہ ادا کرتی جاتی تھی، دولھا کے باپ چاندی کے پھول اٹھنیاں چونیاں اور روپے نچھاور کرتے چلے جا رہے تھے، کہ ایک بڑھیا عورت لنگڑاتی ہوئی سامنے آئی، اور کہا خدا تیرے دولھا کو پروان چڑھائے، دو وقت سے بھوکی ہوں پیٹ بھر دے، بھوڑے کی دیگیں، روٹیوں کے خوان اپنے ساتھ بھٹیاروں کے تنور نان بائیوں کی دکانیں آنکھ کے سامنے ریزگاری کا رومال ہاتھ میں مگر وقت کی بات ہے مطلق توجہ نہ کی، بڑھیا حسرت سے منہ تکتی ہوئی دو چار قدم لڑکھتی پھر کتی چل چلا مایوس ہو کر بیٹھ گئی، بوندا باندی ہلکی ہلکی پڑ رہی تھیں، سڑک پر گارے کا بچھونا اور راستہ چلتوں کے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے کہ دفعتہً بادل کڑکا اور اس زور سے کہ دل دہل گئے، کوئی ایک لمحہ نہ گزرا ہو گا کہ دولھا پر بجلی گری، سائیس گھوڑا اور دولھا جلکر خاک سیاہ ہو گئے، کیسا و ردانگیز سماں اور قیامت خیز وقت تھا، باپ یہ رنگ دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا، خدا کی شان ہے جس دولھا کو دیکھ دیکھ کر ماں نہال ہو رہی تھی اب وہ پہچانا بھی نہ جا سکتا تھا، ماں نے جس وقت ان جلی ہوئی ہڈیوں اور راکھ کے ڈھیر کو چھاتی سے لگا کر سر آنکھوں پر رکھا ہے، اس وقت کا منظر خدا دشمن کو نہ دکھائے، دولھا مر گیا بستی اجڑ چکی، شادی کی محفل سوگ کی مجلس اور بھوڑے کا کھانا دولھا کی حاضری ہو گئی، ناظر بیٹی سوچو کہ بد نصیب ماں کی کیفیت اس وقت کیا ہو گی، اگر وہ نیک بندی گھر پہنچی، تو سب سے پہلے وضو کیا، نماز پڑھی اور عرض کیا معبود حقیقی اپنی مصلحت تو ہی خوب

جانتا ہے، اگر یہ میرے گناہوں کی سزا ہے تو معاف کر اور اپنی رحمت کاملہ سے بخش دے
اس کے بعد باہر آئی، ان جلی ہوئی ہڈیوں کو بوسہ دیا، اور کہا کہ خدا کی مقدس
مرضی یہی تھی، یہ ہماری آزمائش کا وقت اور امتحان کا موقعہ ہے، دولہا کے باپ
سے کہو، جس طرح کل غسل ہوا تھا، اسی طرح غسل دے کر اصلی گھر پہنچا دو،

باپ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی، امید یہ تھی کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ
زائل اور یہ رنج کم ہو جائے گا، مگر خلاف توقع وہ روز بروز بگڑنے لگا، اور چند ہی
روز میں چارپائی سے لگ گیا، جب ہوش آتا اور بچہ کی تصویر آنکھ کے سامنے
پھرتی تو ایک آہ کرتا، اور یہ کہہ کر بیہوش ہو جاتا، ہائے جوان شیر ہمیشہ کو چھوٹ
گیا۔۔

مسلمان کی اولاد تھی، گھٹی میں صبر طینت میں شکر خاموش ہو گئی، مگر پھر بھی جب
کبھی اس کا خیال آتا، جو گود میں چھوٹے سے بڑا اور آنکھوں کے سامنے بچے سے جوان
ہو کر ہمیشہ کو جدا ہو گیا، تو کلیجہ پر برچھیاں چل جاتیں، ایک ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو جاتی
اور اس امید پر کہ مر کر اس کھڑے سے آنکھیں ٹھنڈی اور حسرت پوری کروں گی،
سجدے میں گر پڑتی، دن دعاؤں میں ختم اور رات التجاؤں میں فجر ہو جاتی، صرف اتنا
ارمان تھا کہ ایک دفعہ اس صورت کو جو چھپ گئی اس چاند کو جو گہنا گیا، اس پھول
کو جو مرجھا گیا، گلے سے لگا لوں، گھنٹوں روتی، گھڑیوں بلبلاتی، اور پہروں سجدے
میں رہتی، مگر باپ گو مرد تھا اور طاقتور و تنومند چند ہی روز میں بگڑ گیا، دیوانوں کی
طرح ادھر ادھر اور سودائیوں کی مانند چاروں طرف ٹکریں مارتا، جنگلوں میں نکل جاتا،
ہوا کو دیکھتا، درختوں پر نظر ڈالتا، سرسراتے ہوئے پتے چلتی ہوئی ہوا اس کے
زخموں پر نمک چھڑکتی، چہکتے ہوئے پرند، کھلتے ہوئے پھول اس کے داغ ہرے
کرتے، لگاتے ہوئے آبشار، بہتا ہوا دریا، چمکتا ہوا چاند، دمکتے ہوئے تارے
اس کی یاد تازہ کرتے، دن یاد دلدار میں بھگت جاتا، اور رات خیال یار میں کٹ
جاتی، قدرت کی قندیل، آسمانی قمقمے باری باری گل ہو جاتے، چاند سورج بن جاتا،
اور شب چہار دہم کی روشنی بجھ جاتی، مگر اس کی لگی نہ بجھتی، کڑکڑاتے جاڑوں کی

مشترکہ کی تقریر تمام شہر میں مشہور ہو چکی تھی، دور دور سے بیویاں کوار یاں لڑکیاں بیاہیاں جوانیں، اور بڑھیاں اس کو دیکھنے اور ملنے آئیں، لڑکی ماشاء اللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھیں جو دیکھتا باغ باغ ہو جاتا، کواری تھی سب کو تمنا ہوتی کہ مشترکہ ہماری بہو بنے کوئی دن ایسا نہ جاتا کہ ایک آدھ پیغام یا دو چار آدمی اس سلسلے میں نہ آتے جاتے ہوں اس لحاظ سے ناجرہ اور انعام دونوں خوش نصیب تھے کہ بڑے بڑے رئیس اور اچھے اچھے امیر مشترکہ کے گرویدہ تھے، ورنہ اسی شہر اور شہر کیا محلے اور محلے ہی نہیں گلی میں کوئی خاندان، کوئی کنبہ اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں کوار کوٹ چنے ہوئے ہوں، شادی آخر ہونی ہی تھی، ماں باپ کب تک انکار کرتے، ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت ادھر تو مشترکہ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی، ادھر رئیس حسنور بیگم گھر میں آئیں، ناجرہ دیکھ تو پہلے ہی چکی تھی مگر اسوقت بیگم کا ٹھاٹ ماماؤں کی چہل پہل نوکروں کا شور و غل دیکھ کر اور شکر آنکھیں کھل گئیں، بیگم صاحبہ نے دو چار باتیں ادھر ادھر کی کیں، اور پھر حرف مطلب زبان پر لے آئیں، بوا میں تو بھیک مانگ رہی ہوں، دیکھو یہ جھولی پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کچھ ڈال دیجئے کہ خوشی خوشی اپنے گھر چلی جاؤں،

ناجرہ، بیگم صاحب آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتی ہیں، بھلا میں کس قابل ہوں کہ آپ کو کچھ دوں، یہ جو کچھ ہے آپ ہی کا طفیل ہے،

بیگم صاحب بس تو میری چیز مجھ کو عنایت کیجئے جب تک آپ کے پاس رہی آپ کی، اب میری امانت میرے حوالے،

ناجرہ - یہ تو درست ہے مگر میں لڑکی کے والد سے بھی ذکر کر دوں وہ جو کچھ کہیں گے عرض کر دوں گی،

بیگم صاحب ان کو جو کچھ کہنا ہو وہ آپ ہی کہہ لیجئے - اور کہنا ہی کیا ہوگا - جب میں ہر شرط کے واسطے تیار اور ہر حکم کے واسطے آمادہ ہوں -

ناجرہ جی نہیں شرطیں کیا ہوں گی، اس کا جواب کل عرض کر دوں گی،

اس قدر گفتگو کے بعد بیگم صاحب چلی گئیں، مگر صبح ہی ان کی ماما آموجود ہوئی، اللہ دن تک نوکروں نے مٹی لے ڈالی، اور تیسرے دن جب ناجرہ نے ہاں کہلا بھیجی ہے تو

ذرا چین سے بیٹھیں۔ اور ایک چار ہی روز گذرے ہوں گے کہ تاریخ مقرر کرنے کا تقاضا شروع ہو گیا۔

مسلمان نکاح کو سنت رسولؐ کہتے ہیں اور نہ صرف کہتے ہیں بلکہ سمجھتے ہیں لیکن نکاح کا قاعدہ زمانہ رسول اللہ میں بھی اور بعد کے مسلمانوں میں بھی یہ رہا، کہ مرد کی طرف سے عورت کو اس کو یا اس کے ورثا کو پیغام نکاح پہنچا خود رسول اللہ نے اپنے پیام اس طرح دیئے ہیں۔ یہ پیامبر اتنا معتبر اور ایماندار ہوتا تھا کہ فریقین اس کے الفاظ پر پورا اعتماد رکھتے تھے، یہ دستور ہمارے یہاں پہنچکر بگڑتے بگڑتے اب اس صورت میں ڈھل گیا کہ مشاطہ اور نائنیں ڈومنیاں اور مامائیں اس فرض کو انجام دینے لگیں جن کا منشا صرف دونوں کو کسی طرح رضا مند کر کے اپنا معاوضہ وصول کرنا ہوتا ہے اور جو ایسے موقعوں پر جھوٹی امیدوں کے ایسے باغ دکھاتی ہیں جن کا قطعاً وجود نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توقعات کے پورا نہ ہونے پر رنجش شروع ہو جاتی ہے، اور اس طرح دونوں زندگیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مشرکہ ان جھگڑوں سے محفوظ رہی، اور خود بیگم صاحب نے آکر معاملہ طے کر لیا، مگر ناجرہ کی وہی طبیعت مزاج دل خالی خولی جانے والا تھا، دن بھی مبارک ہو، مہینہ بھی مبارک، ساعت بھی نیک ہو، پھر بھی نیک ہو، انعام نے بہتیرے پاؤں پیٹے مگر خاک نہ چلی، بیگم صاحب نے ہر چند عجلت کی مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ سب ہی نے کوشش کی کہ ذیقعد کے مہینے میں نکاح ہو جائے مگر وہ اللہ کی بندی یہی رٹے گئی، کہ بیچ خالی کے چاند خدا دشمن کا بھی نکاح نہ کرے، ادھر ضرورت یہ تھی کہ نواب صاحب بیت اللہ جانے کو تیار تھے، چاہتے تھے کہ میرے سامنے لڑکے کا گھر آباد ہو جائے، تو اطمینان سے روانہ ہو جاؤں، مگر سب ہی جتن کر ڈالے اور وہ کمبخت جس کا نام ناجرہ تھا رضامند نہ ہونا تھا نہ ہوئی، بڑی خرابی یہ تھی کہ خود مشرکہ ان خیالات کی پابند نہ تھی مگر اس کا اپنا معاملہ تھا بول نہ سکتی تھی،

(۲۳)

مس میری سمتھ نے جو اس وقت یہاں موجود تھیں، اور جنہوں نے چار روز تک دن اور رات مشرکہ کی شادی کا ہر حرف ذکر دیکھنے کے بعد اپنی مشہور کتاب مسلم خواتین کی

کی شادیاں" لکھی، اور دل کھول کر مضحکہ اڑایا ہے، مگر حق یہ ہے کہ جو کچھ لکھا سچ لکھا اور خوب لکھا ہے، شادی کی کیفیت اس طرح لکھتی ہیں،

میں جس وقت یہ کتاب لکھ رہی تھی، اس وقت اتفاق سے رئیس حسینپور کے لڑکے کی شادی تھی، دولہا والوں کا انتظام ان کی رسمیں اور عقیدے میں اس سے پہلے بھی دیکھ چکی تھی، اس لئے کلکٹر صاحب کی سفارش سے مجھ کو مسز انعام نے اپنے مکان میں ایک علیحدہ کمرہ چار روز کے واسطے دے دیا، یہ عورت یعنی مسز انعام دلہن کی ماں مشرقی بیبیوں کا بہترین نمونہ تھی، مسلمان جو ہمارے سامنے بعض اوقات زور شور سے دعوے کرتے اور اسلام کی صداقت اور حق کی حمایت کے مدعی بنتے ہیں، ان کی اندرونی حالت دیکھ کر قلعی کھلتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اسلام کی اصلی تعلیم یہی تھی، اگر ہندوستان کے مسلمان ان واقعات کا بطلان نہیں کر سکتے تو یقیناً ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اہل مذہب کے روبرو آنکھ ملا سکیں، یا کسی ایسے شخص سے جو تثلیث کا معترف ہو، مقابلہ کریں، اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کا دوسرا بڑا مذہب ہندوازم ہے، اور گو ان کے ہاں بھی پرستش کے واسطے بے شمار دیوتا موجود ہیں لیکن مسلم خواتین کے خدا زمین کے ہر قدم میں سے پیدا ہوتے ہیں، شادی سے ایک روز قبل دولہا والوں نے دریافت کیا کہ بری کس قدر بھیجیں، بری کھانڈ کے کچھ توڑے کھوپرا پستے بادام وغیرہ ہوتے ہیں جس کے جواب میں دلہن والے پنڈیاں بھیجتے ہیں پنڈیاں ایک قسم کی گھی ملی ہوئی کھانڈ ہوتی ہے جس کو نہایت ہی میلے کچیلے حلوائی مٹھیوں میں بھیچ بھیچ کر گول بناتے، دلہن کی وداع سے ایک روز قبل معلوم ہوا کہ آج دولہا والے اپنا ساچق بھیجیں گے، اس ساچق کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، رات کے گیارہ بجے سفید مٹی کی، چار گھڑیاں جن پر نقش بنے ہوئے تھے، اور ابرک چھڑکی ہوئی تھی، شربت اور پانی سے بھری ہوئی ہیں تاکہ دلہن ٹھنڈی اور میٹھی یعنی خوش خرم رہے، اس کے بعد ایک خوان میں دلہن کی آرائش کا بہت سا سامان تھا، ایک لمبی سی چیز مہاگ پڑا کہلاتا تھا، کچھ کلاوے تھے، دلہن کی جوتی تھی، اس کے کپڑے تھے، جو ریت کا جوڑا کہا گیا تھا۔ ریت کا جوڑا بالکل ویسا ہی تھا جیسا جنازے یہاں مردے کو کفن دیا جاتا ہے، مصری کے کوزے

تھے، پان کے بیڑے تھے، کھانڈ کی پڑیاں تھیں، مگر ان کی ضرورت میری سمجھ میں مطلق نہ
آسکی، لال دھاگے جو کلاوے کے نام سے مشہور تھے، اور جن سے زیادہ لغو چیز اس خوان
میں کوئی نہ تھی، سنا گیا کہ کنبہ بھر میں تقسیم ہوگا، اس جشن کا دولہا کی شخصیت سے کوئی واسطہ
نہ تھا، رات کے دو بجے دلہن دولہا کے چند عزیزوں کے حصہ میں آئی، جو اس کی بہنیں تھیں
اور جنہوں نے نہایت نخوت سے اس کے منہ میں پان کے بیڑے اور مصری کی ڈلیاں
دینی شروع کیں، اگر خوش قسمتی سے اس وقت اس کے سر پر رومال نہ ہوتا تو یقیناً مصری کی
ڈلیاں اس کے رخسار کیا کر دیتیں، اور وہ ہار "جیسے" معلوم ہوتی، موسم گرما تھا، ہوا بالکل بند تھی، اور
ایک معصوم لڑکی گوٹے پٹے کے کپڑوں میں لدی ہوئی جس کے خیال سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے کس
طرح جکڑی ہوئی بیٹھی تھی کہ اس کے چاروں طرف بیسیوں عورتوں کا مجمع تھا، اور ہوا کا گزر مطلق نہ ہو سکتا تھا
مجھے تعجب تھا کہ وہ گھنٹے بیٹھے کس طرح اس آفت کو برداشت کر رہی ہے، اور شکر تھا کہ بیہوش نہ ہو جاتی، اس سے زیادہ
تعجب ان عورتوں پر تھا جو منہ میں کھلائی جا رہی تھیں مگر اٹھنے کا نام نہ لیتی تھیں کہ گھنٹے کے بعد خدا سے نجات پاتے

مشرقی کو یہ احسان ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں نے اس ضرورت پر توجہ کی، اور اس کو
ان لغویات سے نجات دلوائی، دوسرے روز کا جشن برات کے نام سے مشہور تھا، مرد اور
دولہا باہر تھے، عورتیں اور دلہن اندر جب نکاح ہو چکا ہے تو ایک گلاس میں شربت اور برف
دولہا کے واسطے باہر بھیجا گیا، جس میں سے نصف جس نے خود پیا اور نصف چھوڑ دیا، یہ اندر آیا
اور دلہن کو پلایا گیا، میں تو اس کے معنی یہی سمجھتی ہوں کہ دلہن نے اس کا جھوٹا شربت پی کر اپنے
محکوم ہونے کا اعتراف کیا، اس کے بعد دولہا اندر آیا، اور دلہن ایک مٹی کے ڈھیر
کی طرح اس کے سامنے بٹھا دی گئی، عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چاروں طرف لگے ہوئے
تھے، چونکہ ان میں اکثر عورتیں دولہا سے پردہ کرنے والی تھیں، اس لئے دولہا کا فرض تھا
کہ آنکھ اونچی نہ کرے بلکہ نیچی کئے بیٹھا رہے، آفتاب اس وقت پوری جوانی پر تھا، اور دھوپ
اپنا کام کر رہی تھی، کوئی چہرہ ایسا نہ تھا جو پسینوں میں نہ ڈوب رہا ہو، باوجود اس کے
جو کچھ بھی سب کی موجودگی میں کیا گیا، وہ طویل ہونے کے علاوہ نہایت ہی لغو و فضول
تھا، میں دیکھ رہی تھی کہ مسلمانوں کا دعوے توحید کہاں تک حق بجانب ہے، یہ رسمیں
قریب قریب ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں رائج ہیں، اس خاص رسم کا نام آرسی مصحف

ہے جس کی تحت میں بیسیوں شعبدے جو نہایت پر لطف ہیں اور جو مسلمانوں کی جہالت کا کافی ثبوت ہیں، دیکھنے میں آتے ہیں، جب وداع کا وقت آیا تو دولہا نے دلہن کو گود میں اٹھایا، اور سب کے روبرو پالکی میں لے جا بٹھایا، سسرال پہنچنے پر دلہن کے پاؤں دولہا نے دودھ سے دھوئے، تاکہ دلہن دودوں نہائے اور پوتوں پھلے یہاں بھی رسوم کی کچھ کمی نہ تھی، مگر سب سے زیادہ پر لطف وہ رسم تھی کہ دلہن گڑیا بنی ہوئی بیچ میں بیٹھی، اور دو تین عورتوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اس کی ہتھیلی پر تھوڑی سی کھیر رکھی اور دولہا سے جو گدھے کی طرح بیٹھا ہوا تھا کہا کہ کھاؤ، جس وقت دولہا کھیر کھانے کو جھکتا تھا عورتوں میں سے کوئی نہ کوئی کھیر ہٹا لیتی تھی اور وہ غریب شرمندہ ہو کر رہ جاتا تھا،

(۴۳)

بچپن کا حال تو خدا جانے یا اس کے ماں باپ کہ کیا کیا غضب ڈھائے اور کیسے کیسے ستم توڑے ہوں گے، مگر ہوش سنبھالنے کے بعد سے پاؤں کو کہ پالکی سے کھٹولی اور عروس سے میت اور دلہن بننے سے دم واپسیں تک اچھوتا کے جتنے حالات ہم کو معلوم ہوئے ایک سے ایک غضب اور ایک سے ایک اعلیٰ ہیں، ہونی تو ایسی بدنصیب کہ ساس اور سسرے دونوں کو چٹ کر کے چھوڑا بیوی بچی تو اتنی بدتمیز کہ میاں کو بھیک منگوا کر بھی بس نہ کی، ماں بچی تو اس غضب ظالم ایک چھوڑ دو دو معصوم پرانی رسموں اور کچے عقیدوں پر قربان کر دیئے، اب بیٹی بیاہنے کا وقت آیا، تو عقل کی ہیٹی نے پوچھا نہ گچھا، سوچا نہ سمجھا، دولت پر چھتر عشق ہو کر ایسی لٹو ہوئی کہ میاں کو شیشے میں اتار چٹ ہاں کر لی منگنی کر سسرال پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ مرد عورت تو درکنار بچہ بچہ اور پتہ پتہ شرک میں ڈوبا اور پیر پرستی میں غرا بور ہے، نواب صاحب اور بیگم صاحب کا تو فقط نام ہے کام سارا ایک پیر جی کے ہاتھ میں ہے، باہر کے کام تو خیر جو تھے وہ تھے حد یہ ہے کہ زنانہ کے بھی جو کام تھے اس میں پیر جی کا دخل اور پیر جی کی صلاح، نکاح ہوا تو پیر جی کی اجازت سے، بچہ ہوا تو پیر جی کے مشورے سے، پیر جی کیا نعوذ باللہ گھر کے خدا تھے، خاندان کا ہر متنفس اُن کا شیدا اور گرویدہ تھا، مشرکہ یہ تمام رسمیں بھگت چکی تھی سسر کے یہ رنگ دیکھ کر اور ساس سسروں نے یہ ڈھنگ سنکر اس کے سوا کر ہی کیا سکتی تھی، اور

تھے، پان کے بیڑے تھے، کھانڈ کی پڑیاں تھیں، مگر ان کی ضرورت میری سمجھ میں مطلق نہ
آسکی، لال دھاگے جو کلاوے کے نام سے مشہور تھے، اور جن سے زیادہ لغو چیز اس خوان
میں کوئی نہ تھی، سنا گیا کہ کنبہ بھر میں تقسیم ہوگا، اس جشن کا دولہا کی شخصیت سے کوئی واسطہ
نہ تھا، رات کے وہ بجے دلہن دولہا کے چند عزیزوں کے حصے میں آئی، جو اس کی بہنیں تھیں
اور جنہوں نے نہایت نخوت سے اس کے منہ میں پان کے بیڑے اور مصری کی ڈلیاں
دینی شروع کیں، اگر خوش قسمتی سے اس وقت اس کے سر پر رومال نہ ہوتا تو یقیناً مصری کی
ڈلیاں اس کے رخسار کیا کر دیتیں، اور وہ بیچاری جیسی معلوم ہوتی ہو سمٹ کر رہا تھا ہوا بالکل بھیگی، اور
ایک معصوم لڑکی گوٹے پٹھے کے کپڑوں میں لدی ہوئی جس کے خیال سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے کس
طرح جھکی ہوئی بیٹھی تھی کہ اس کے چاروں طرف بیسیوں عورتوں کا مجمع تھا، اور ہوا کا گزر مطلق نہ ہو سکتا تھا
مجھے تعجب تھا کہ وہ گھنٹے ٹیکے کس طرح اس آفت کو برداشت کر رہی ہے، اور دھکا بھاگ نہیں جاتی، اس سے زیادہ
تعجب ان عورتوں پر تھا جو مہندیں گائی جا رہی تھیں مگر اٹھنے کا نام نہ لیتی تھیں کہ گھنٹے بھر تو ضرب سے بچا سکیں
شکر کو بہر احسان ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ میں نے اس ضرورت پر توجہ کی، اور اس کو
ان تکلیفوں سے نجات دلوائی، دوسرے روز کا جشن برات کے نام سے مشہور تھا، مرد و
دولہا باہر تھے، عورتیں اور دلہن اندر، جب نکاح ہو چکا ہے تو ایک گلاس میں شربت اور برف
دولہا کے واسطے باہر بھیجا گیا جس میں سے نصف اس نے خود پیا اور نصف چھوڑ دیا، یہ اندر آیا
اور دلہن کو پلایا گیا، میں تو اس کے معنی یہی سمجھتی ہوں کہ دلہن نے اس کا جھوٹا شربت پی کر اپنے
محکوم ہونے کا اعتراف کیا، اس کے بعد دولہا اندر . . . یہ، اور دلہن ایک مٹی کے ڈھیر
کی طرح اس کے سامنے بٹھا دی گئی، عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چاروں طرف لگے ہوئے
تھے، چونکہ ان میں اکثر عورتیں دولہا سے پردہ کرنے والی تھیں، اس لئے دولہا کا فرض تھا
کہ آنکھ اونچی نہ کرے بلکہ نیچی کئے بیٹھا رہے، آفتاب اس وقت پوری جوانی پر تھا، اور دھوپ
اپنا کام کر رہی تھی، کوئی چہرہ ایسا نہ تھا جو پسینوں میں نہ ڈوب رہا ہو، باوجود اس کے
جو کچھ بھی سب کی موجودگی میں کیا گیا، وہ طویل ہونے کے علاوہ نہایت ہی لغو و فضول
تھا، میرا تو اعتبار رہی تھی کہ مسلمانوں کا دعوے توحید کہاں تک حق بجانب ہے، یہ رسمیں
قریب قریب ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں رائج ہیں، اس خاص رسم کا نام آرسی مصحف

ہے جس کی تحت میں بیسیوں قصے جو نہایت پرلطف ہیں اور جو مسلمانوں کی جہالت کا کافی ثبوت ہیں، دیکھنے میں آتے ہیں، جب وداع کا وقت آیا تو دولھا نے دلہن کو گود میں اٹھایا، اور سب کے روبرو پالکی میں لے جا بٹھایا، سسرال پہنچنے پر دلہن کے پاؤں دولھا نے دودھ سے دھوئے، تاکہ دلہن دودوں نہائے اور پوتوں پھلے یہاں بھی رسوم کی کچھ کمی نہ تھی، مگر سب سے زیادہ پرلطف وہ رسم تھی کہ دلہن گڑیا بنی ہوئی بیچ میں بیٹھی، اور دو تین عورتوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اس کی ہتھیلی پر تھوڑی سی کھیر رکھی اور دولھا سے جو گدھے کی طرح بیٹھا ہوا تھا کہا کہ کھاؤ، جس وقت دولھا کھیر کھانے کو جھکتا تھا عورتوں میں سے کوئی نہ کوئی کھیر کھلاتی تھی اور وہ غریب شرمندہ ہو کر رہ جاتا تھا،

(۴۴)

بچپن کا حال تو خدا جانے یا اس کے ماں باپ کہ کیا کیا غضب ڈھائے اور کیسے کیسے ستم توڑے ہوں گے۔ مگر ہوش سنبھالنے کے بعد سے یعنی کوکہ پالکی سے کھٹولی اور عروس سے بیت اور دلہن بننے سے دم واپسیں تک باجرہ کے جتنے حالات ہم کو معلوم ہوئے ایک سے ایک قصّہ اور ایک سے ایک بڑھے ہیں، بیوی تو ایسی بدنصیب کہ ساس اور سسرے دونوں کو چٹ کر کے چھوڑا بیوی بنی تو اتنی بدتمیز کہ میاں کو بھیک منگوا کر بھی بس نہ کی، ماں بنی تو اس غضب ظالم ایک چھوڑ دو دو معصوم پرانی رسموں اور کچے عقیدوں پر قربان کر دیئے، اب بیٹی بیاہنے کا وقت آیا، تو عقل کی بیٹی نے پوچھا نہ گچھا، سوچا نہ سمجھا وقت پر جھٹ غشو ہو کر ایسی لٹھ ہوئی کہ میاں کو شیشے میں اتار چٹ ہاں کرلی منشی کہ سسرال پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ مرد عورت تو درکنار بچہ بچہ اور پتہ پتہ شرک میں ڈوبا اور پیر پرستی میں غرا بور ہے، نواب صاحب اور بیگم صاحب کا تو فقط نام ہے کام سارا ایک پیر جی کے ہاتھ میں ہے، باہر کے کام تو خیر جو تھے وہ تھے حد یہ ہے کہ زنانے کے بھی جو کام تھے اس میں پیر جی کا دخل اور پیر جی کی صلاح، نکاح ہوا تو پیر جی کی اجازت سے، اجڑا اجڑا تو پیر جی کے مشورے سے، پیر جی کیا نعوذ باللہ گھر کے خدا تھے، خاندان کا ہر متنفس اُن کا شیدا اور گرویدہ تھا، مشرکہ یہ تمام آفتیں بھگت چکی تھی مسرا سکے یہ رنگ دیکھا اور ساس سسروں کے یہ ڈھنگ سنا اس کے سوا کر ہی کیا سکتی تھی، اور

دل ہی دل میں سنہ پیٹ لیا، جب رونمائی کا موقعہ آیا ہے تو وہ گو لاکہ دلہن تھی مگر کان اور آنکھیں موجود تھیں، وہاں خاموشی تھی، اگرچہ کہا جاتا وہ سنتی تھی، جو ہوتا تھا وہ دیکھتی تھی، پیرجی کا سلام اس کو ایک آنکھ نہ بھایا، مگر کیا کر سکتی تھی، نیا گھر اجنبی پہلا موقع رضا بقضا گئی، اور سلام کیا، پیرجی بھی بچہ نہ تھے، پیشانی کا بل اور چہرہ کا رنگ دیکھ کر صاف سمجھ گئے، کہ لڑکی مرید نہیں سمجھدار ہے، دعا دی، سر پر ہاتھ پھیرا، دم کیا، پڑھ کر پھونکا، لطف یہ تھا کہ بڑھیاں تو خیر اپنی عمریں طے کر چکی تھیں، لڑکیاں اور جوانیں بھی آزادانہ پیرجی کے سامنے ہوتی تھیں، سارا گھرانہ کا کلمہ پڑھتا تھا، نہ ٹل جائے، ذرہ نہ ہو، گھرانے کے اعتقاد میں فرق نہ آ سکتا، نواب صاحب کا حکم لڑکے کی بات پوری نہ ہو، لیکن جو بات پیرجی کے منہ سے نکل جائے، یہ ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل نہ ہو، غرض اتنا کہ سب ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہتے، اگر اس قدر گوشت میں ترکاری پڑتی تو پیرجی کی اجازت سے، اور سالن میں گھی پڑتا تو ان سے پوچھ کر، ظاہر یا ہر سے اندر تک اور مرد سے عورت تک ہر چیز پر اور ہر شخص پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ خدا کی پناہ، آدمی کیا، نواب صاحب کے گھر کا خدا تھا، کہ سب اس کی پرستش کرتے، اور وہ جائز رکھتا، مرد اس کے ہاتھ چومتے، اور عورتیں اس کے پاؤں دباتیں، بچے اس کی مٹھیاں بھرتے، اچھے سے اچھا کھاتا اور بہتر سے بہتر پہنتا۔

مشتری بچہ ناتجربہ کار سیدھی بھولی سب کچھ سہی مگر باخبر تھی، اس جوئے سے جو نکاح نے اس کے کندھوں پر رکھا، واقف تھی، اس تعبیر سے جس نے کنوارپنے کی بےفکری ختم کر کے ذمہ داری کا بار اس کے سر پر رکھ دیا، وہ اس بوجھ کی سہار کو قطعاً تیار تھی، لیکن جو آثار نمودار ہوئے، وہ اس کا دم خشک کر رہے تھے، وہ شوہر کی عظمت ساس سسروں کی وقعت اور سسرال والوں کی [illegible] خوب سمجھتی تھی، اور جانتی تھی کہ پرائے دل پر قبضہ کرنا اور غیر شخص کو اپنا کرنا سہل نہیں، سر [illegible] آنکھوں میں اور کٹ دن بنک گئے میں پڑتا ہے، اپنی طرف سے اطاعت میں کسر [illegible] شوہر کو کھانا اس نے کھلایا، ساس کا سر اس نے دبایا، سسر کو پنکھا اس نے جھلا، مگر اس کا کیا علاج کہ پیرجی کی رضامندی کے بغیر سب اطاعت فضول [illegible] اور [illegible] ہوتی

سرسے کنواں کھودتی اور کھال کی جوتیاں پہناتی، مگر سب اکارت تھا، آٹھ ہی روز نکاح کو گزرے ہوں گے، کہ میاں نے کہا تم حضور کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوئیں، دو تین مرتبہ اباجان اور کئی دفعہ اماں نے بھی کہا ایسی خودسری بھی کس کام کی، ایک دنیا ان کی گرویدہ اور سارا شہر ان کا مشتاق ہے، ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ وہ ہم سے بات بھی کرلیں، سارا جہان ان کے قدموں پر آنکھیں بچھانے کو تیار ہے تم ایسی بدنصیب ہو کہ یہ برکت خدا نے گھر بیٹھے عطا کردی اور محروم،

میاں کی تقریر سنکر خاموش ہوگئی، ارادہ کیا کہ جواب دوں، مگر مصلحت نہ تھی، طبیعت پر جبر کیا، دل پر ظلم، زبان روکی، منہ بند کیا، اور صرف اتنا کہا بہت اچھا،

شوہر:- میں بھی حضور کی خدمت میں جارہا ہوں، تم سب کام چھوڑ چھاڑ سیدھی وہیں آؤ،

دل مانتا نہ تھا، جی چاہتا نہ تھا، نفس گوارا نہ کرتا تھا طبیعت روا نہ رکھتی تھی، مگر زنجیر نکاح اپنی صلاح پر غالب رہی، بالجبر و بالاکراہ اٹھی، اور پہنچی، گئی اور بیٹھی مگر بیٹھی کیا، بظاہر فرحت بباطن مصیبت زبان پر حضور، دل میں لعنت،

پیرجی پہلے ہی دن سمجھ گئے تھے کہ بچے وہابیوں کی لڑکی مشکل سے جال میں پھنسے گی اس پر طرہ یہ کہ آٹھ دن کا اکٹھا ہوتا تھا، سارا گھر بڑا اور چھوٹا مرد اور عورت نماز سے پہلے سلام کو حاضر ہو، اور نہ ہو تو وہی نافرمان جس نے پیرجی کی زبان سے ایمان کی پتلی لوکا قرار اور بے ایمان کا لقب دلوادیا، مجبوری کا جانا، زبردستی کا بیٹھنا، اس پر دلہن بنی ہوئی اپنی طرف سے کیا پہل کرتی، پیر صاحب کچھ فرماتے جواب دیتی، بدنصیب شوہر کا حکم سنتے ہی حاضر ہوگئی، اب پیرجی کی یہ توقع کہ آتے ہی پاؤں میں گر پڑتی، اور شوہر کی یہ امید کہ چھوٹتے ہی ہاتھ چوم سر آنکھوں پر رکھ لیتی، واقعی وہ پوری نہ کرسکی، اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ پوری کر بھی نہ سکتی تھی، دو چار لمحہ بعد خود ہی پیرجی نے کہہ دیا کہ جاؤ چلی جاؤ، بے ایمان کا یہاں کام نہیں، پیرجی کا فرمان قرآن کی آیت یا رسول کا فرمان تھا، سنتے ہی سب سناٹے میں رہ گئے، اور کہا جاؤ، سامنے سے ہٹ جاؤ،

(۲۴)

یہ بھی خدا کی شان تھی کہ پانچوں وقت کی نماز اور دو وقت کی قرآن پڑھنے والی لڑکی ان لوگوں کی نگاہ میں جو کبھی بھول کر بھی خدا کو سجدہ نہ کریں، بے ایمان ٹھیرے اور صرف اس لئے کہ وہ مسلمان ہے، اور مسلمان رہنا چاہتی ہے، مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی ذلیل ہو کہ نوکروں کے بعد ماماؤں سے بدتر چاکروں کے ساتھ بھنگیوں کی طرح اس کی روٹی بھجوا دی جاتی، ساس سسر سے بات نہ کریں، شوہر آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے مامائیں طعن کریں، لونڈیاں آوازے کسیں، اور وہ شہد کے قطروں اور شربت کے گھونٹوں کی طرح سب کو پی جائے، پورے دو سال اسی طرح گزرے، اور اب مشرک شوہر کی بیوی اور ساس کی بہو ہونے کے علاوہ اس بچہ کی ماں بھی تھی، جو پیدا ہوتے ہی پیرجی کے قدموں میں ڈالا گیا، مشرک تو آٹھ ہی دن کے بعد سے ایسی نحس اور منحوس مشہور ہو گئی تھی، کہ کوئی بیماری آتی، تو اس کی نحستی کو، کوئی دکھ ہوتا، تو اس کا اثر، سوا پہر دن چڑھے تک حکم نہ تھا کہ انگنائی میں نکل سکے، ایسا نہ ہو صبح ہی صبح اس کے چہرہ پر کسی کی نظر پڑ جائے، ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس کی بے ایمانی اور نحستی کا بچہ پر کوئی اثر نہ پڑا، ٹوٹا! ساس سسر کے سر بچہ جب بیمار پڑتا تو البتہ ماں کے سپرد ہوتا، ورنہ دن رات دادا دادی اور نوکر ماماؤں کی گود میں رہتا، دودھ کے واسطے ماں کے پاس آتا، ادھر پیا ادھر طلبی کا تقاضا موجود یہ بھی پیرجی کا حکم تھا، کہ ماں کی تربیت کا زیادہ اثر نہ پڑے،

پیرجی کو پورا یقین تھا کہ مشرکہ کو ایک ہی ڈانٹ جہنم واصل کر دے گی، عورت ہے اور عورت بھی سمجھ دار نہیں، تجربہ کار نہیں، لڑکی اور لڑکی بھی کچی لکڑی، اس کا جھک جانا مشکل نہیں، ہر طرف کی پھٹکار، چاروں طرف کی جھک جھک اور پٹ پٹ، ہر وقت کی اذیت ہر لمحہ کی لعنت طبیعت کے جن نکلنے کے سے نکال دے گی، اس کی تو ہستی کیا ہے کہ اکڑ سکے، ایک ہی مار ایسی پڑے گی کہ سارے تختے ٹھیک ہو جائیں گے تو سیدھی ہو اس کے ساتھ ماں اور باپ دونوں سے سجدہ کروا دوں، مگر پیرجی کا خیال غلط، توقع جھوٹی اور امید فضول تھی، پیرے میاں کی صحبت اس کی طبیعت کو پارس اور صورت کو کندن بنا گئی تھی، اس نے مصیبت کو راحت اور آفت کو غنیمت سمجھا، روکھی کھائی، اور خوش رہی، پڑا

پہنا اور شکر کیا، اس میں شک نہیں کہ شوہر کی نفرت اور اس کی عداوت بہار زندگی کا خاتمہ اور گلشن حیات کی ایسی بربادی تھی جس کی تلافی قطعاً ناممکن تھی، لیکن توحید اس کے رگ و پٹھے میں اور اسلام اس کے خون میں سرایت کر چکا تھا اس نے جو آئی وہ اٹھائی جو پڑی وہ جھیلی، مگر زبان پر شکایت اور دل میں میل نہ آنے دیا، ہاجرہ سگی ماں اور انعام حقیقی باپ تھا، لیکن کیا مجال جو ان دونوں کو رتی بھر پتہ لگنے دیا ہو، کھانے پینے کے دن اور پہننے اوڑھنے کا وقت تھا، آدمی تھی اور دیکھتی تھی، کہ بڑھیا سا اس منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت گوندنی کی طرح زیور میں لدی بیٹھی ہیں، دونوں وقت سفید بگلہ سر گتہ رہا ہے، دیکھتی تھی کہ اچھے سے اچھا کپڑا پہن رہی ہیں، اور پھاڑ رہی ہیں، مگر کیا مجال جو دل میں خیال یا زبان پر ملال آجائے، سہتی اور چپ رہتی، دیکھتی اور اُف نہ کرتی، لڑکی تھی، جوان تھی، دل تھا، دل میں ارمان تھا، منہ تھا منہ میں زبان تھی، مگر توبہ توبہ جو ملگیا وہ پہن لیا، جو آگیا وہ کھا لیا، دل کی وہ کلی جو شگفتہ ہو کر ایک عالم کو مہکاتی، کھلتے ہی مرجھا گئی، جس دماغ سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس پر ایسی اوس پڑی کہ صرف خدا اور شکر کے کام کا رہ گیا، اس حالت پر بھی اس نیک بچی نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کمی نہ کی، ظالم شوہر دن دن بھر اور رات رات بھر مردانہ میں گلچھرے اڑاتا، اور کبھی بھول کر بھی بیوی کے پاس نہ پھٹکتا، مگر جب کبھی بھولے بسرے آنکلتا، تو لونڈیوں کی طرح کھڑی ہو جاتی، پنکھا جھلتی، کپڑے اتارتی، ہاتھ دہلاتی پاؤں دھلاتی، حسنپور والے اس مردود کے مرید اگر مشرک کے برخلاف قرآن اٹھالیں تو جھوٹے زندہ ہیں ابھی وہ آنکھیں جن کے سامنے پورے چار پہر کی رات پاؤں دباتے اور پنکھا جھلتے اس مظلومہ کی آنکھوں میں کٹ گئی، اور اذان کے ساتھ کلمہ توحید پڑھتی ہوئی وضو کو اٹھ کھڑی ہوئی، وہ معاوضہ خدمت کی طلبگار تھی نہ رحم و کرم کی خواستگار، خواہش تھی تو اتنی، ارمان تھا تو یہ کہ اسلام اس کا شوہر اس سے سیدھے منہ بات کر لے، دائیں اس ارمان میں لو اور دن اس آرزو میں پورے ہوتے اگر خواہش اور ارمان پورے نہ ہوئے ہاجرہ لاکھ واقعی وقت سے بے خبر اور مصیبت سے ناآشنا تھی، مگر ماں تھی عمر کا تجربہ زمانہ دیکھے ہوئے، شوہر کے ڈھنگ برتے ہوئے مشرک کے تیور سے صاف پہچان گئی کہ دال میں کالا ہے، کئی دفعہ پرکھا، بار ہا پوچھا، سیلا کر چکار کر محبت سے دھوکے سے نرمی سے

غصہ ہے، مگر وہ اللہ کی بندی ٹس سے مس نہ ہوئی، جب کہا یہی کہا اللہ کا شکر ہے مجھے کوئی شکایت نہیں، لیکن ناجرہ کی ماتا تھی کلیجہ کو لگی ہوئی ایک روز آؤ دیکھا نہ تاؤ ڈولی کر اسی عرصہ میں سیدھی بیٹی کے ہاں پہنچی، جاتے کو تا جرہ چلی گئی اگر وہاں پہنچکر دیکھتی ہے تو نہ سمدھن کے وہ رنگ ہیں نہ داماد کے وہ ڈھنگ، بیٹی ہے سو وہ گم سم چپ چاپ ایک گھر میں قیدیوں کی طرح پڑی ہے، دنگ رہ گئی، ادھر بیگم صاحب جن کا بیوی بیوی کہتے منہ خشک ہو رہا تھا، پاس آکر بھی نہ پھٹکی۔ خیر اس کی چنداں شکایت نہیں۔ پھر غیر تھیں۔ افسوس اس سنگدل داماد کا ہے جو ساس کے سلام تک کو نہ آیا،

ناجرہ چپلی تو بہت، اور اگر اس کا بس چلتا تو بیٹی کو ساتھ لے ڈولی منگوا کبھی کی چلتی ہوتی، مگر مشرکہ نے اُف نہ کرنے دی، اور الٹے پاؤں ماں کو لوٹا دیا۔

مشرکہ کا صبر اگر پالا کسی سمجھدار سے پڑتا تو داد کا مستحق تھا اگر جیاں پیر اور مرید نور علی نور ہوں وہاں جو کچھ بھی ظہور میں آتا بجا، مقابلہ چیونٹی اور ہاتھی بکری اور شیر، گائے اور قصائی کا تھا، کجا وہ جفا کار کہ زمین سے آسمان تک ہر متنفس اس کا کلمہ پڑھے، کجا یہ غریب خستہ تو اور کہ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن دیکھنے میں سنگدل بالکل غافل اور قطعاً لاپروا تھا مگر مشرکہ کی یہ روش دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کھولا جاتا تھا، چاہیے کہ اس بدنصیب کو جس کی تمام امیدیں اور ارمان غارت ہو چکے تھے، خاک میں ملا کر اطمینان سے بیٹھ جاتا، ہرگز نہیں، جب موقع ملتا، اور ذکر آتا، تو ایک نہ ایک بات ایسی چبھتی ہوئی کہہ دیتا، کہ اس کی ساری کی کرائی محنت اور خدمت پر پانی پھر جائے، محرم کی اکیسویں تاریخ نور الدین شاہ کا عرس آیا، نواب صاحب کے ہاں سے ہر سال، دو ڈھائی ہزار کی چادر چڑھائی جاتی تھی اور سارا گھر تین دن تین رات وہیں حاضر رہتا تھا، عرس مشہور تھا، دور دور سے لوگ آتے تھے، مردین گھنگرو پہنے اور ڈھولک چاروں طرف جھاڑ کے جھاڑ پھرتے تھے۔ عرس شروع تو انیسویں ہی سے ہو جاتا، مگر اکیسویں یعنی آخر تاریخ کو نواب صاحب کی چادر چڑھتی، پہلے خود نواب صاحب اس کے بعد بیگم صاحب اور پھر سب بال بچے جھک کر مزار کی پائنتی سجدہ کرتے، اور وہ خاک اپنے سر و آنکھوں پر مل کر حاجت روائی کی التجا کرتے۔ شاہ صاحب اپنے زمانہ حیات میں نہایت قابل قدر بزرگ اور سچے

کے سامنے ہزاروں باتیں سنوادیں، تا بکار شوہر شرم وحیا طاق میں رکھ طلاق دینے پر آمادہ ہوگیا، البتہ مہر کا سوال ٹیڑھی کھیر تھا جس نے اس وقت بے کس کی لاج رکھ لی، ورنہ بھرے مجمع میں رشتہ چلتوں کے سامنے اور سیلانیوں کے روبرو اس کی عزت اُترنے میں کوئی کسر نہ رہی، ایک کا غصہ، ایک کی خفگی، ایک کی فضیحتی ایک کی لعنت ہوتی تو خیر ہوتا، تو سارا کنبہ، پوری محفل اور پھر اجلسہ لعنت کے طوق گلے میں ڈال رہا تھا، پیرجی تو صرف اتنا کہہ کر ہنستے ہوئے چلے گئے "مسلمان کی اولاد کافر" مگر یہ فتویٰ ایسا نہ تھا کہ اُن کے مرید سنتے اور ٹال جاتے، اسی وقت سے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا اس کی صورت ہر چیز حرام ہوگئی، گھر چلنے کا وقت آیا تو مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی کہ کافر کے ساتھ بیٹھتے، اسباب کی ایک گاڑی میں اس کو جگہ ملی، پیرجی پینس میں، بیویاں پالکیوں میں، مرد گاڑیوں میں، اور اسباب چھکڑوں میں لد چکا تھا، چلنے کی مارا مار ہو رہی تھی، کہ موذن نے روز روشن کی وداع کے ساتھ مالک کی وحدانیت کا ڈنکا بجایا، خلقت رخصت ہو چکی تھی، جنگل خاموش اور ہوا ساکت تھی، نعرۂ توحید اس زور سے ہوا میں گونجا، کہ ہر لفظ مشرک کے کلیجے پر گذر رہا تھا، عرق عبودیت پیشانی پر آیا، اٹھی وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہوگئی، اس تاخیر سے اور بھی عزت ہوئی، نماز کا مضحکہ اڑا، دعا پر ٹھٹھے لگے، دیر پر غصہ ہوا، اشنا پر فضیحتیاں ہوئیں، راستے بھر پوچھا رہی، اور گھر پہنچتے ہی یہ فیصلہ ہوا کہ زنانہ کی طرف سے کمرہ کا دروازہ بند کر دیا، ہر کا دروازہ کھول دیا جائے،

(۲۶)

سسرال سے جو تھوڑا بہت واسطہ تھا بھی اول تو وہ تھا ہی برائے نام لیکن اس عرس کی بدولت اور پیرجی کے طفیل وہ بھی القط ہوا، اب اس کمرہ کو مقفل سمجھ کر چاہو حوالات کہو یا محلسرا کے گوشہ میں ایک علیحدہ مکان سمجھو، واقعات یہ تھے کہ رات دن اکیلی پڑی رہتی، کتوں کی طرح دونوں وقت ماما آتی اور روٹی دے جاتی، وہ بھی اس طرح کہ تیوری پر بل پیشانی پر غصہ، دل میں بخار، زبان پر پھٹکار، شوہر کا وطیرہ پہلے سے بھی بدتر رہا، بیوی کے کان دن بھر شوہر کی آوازیں سنتے، مگر آنکھیں پانچ پانچ چھ چھ روز صورت نہ دیکھتیں، کبھی پانچویں چھٹے رونہ آیا، گھڑی آدھ گھڑی بیٹھا دس پانچ

باتیں دو چار صلواتیں سنائیں، بزرگوں کو برا بھلا کہا محسن بڑوں کو پن پنا سید جا ہولیا،
ہاں بچہ کے بہانے ماماؤں کے پھیرے دن بھر ہوتے رہتے تھے، رات کو جب بچہ سو جاتا
تو اس کی کھلائی وہ بھی مشرکہ کے واسطے نہیں، بچہ کے لئے یہاں سو رہتی، اور اس طرح
دل بہلاتے یا غم غلط کرنے کا ایک ذریعہ یہ رہ گیا تھا، جو اکیلی سے دوکیلی کر دیتی تھی،
ورنہ دن بھر مشرکہ تھی اور وہ حوالات کا کمرہ، مشرکہ کے اس صبر و استقلال کا نتیجہ تو بدتر ہی
نکلا، مگر اس کی استقامت بہت سی طبیعتوں پر چپکے ہی چپکے اپنا اثر کر رہی تھی، جاڑے
کے موسم میں جب کڑکڑاتی سردی پڑ رہی تھی، صبح کی نماز کے وقت اور اس وقت جب
پیرجی اور سارا گھر نرم و گرم بچھونوں پر دبکے سکڑے پڑے ہوتے تھے، اس کا اذان
کے وقت اٹھنا اور ٹھنڈے برف پانی سے وضو کر معبود حقیقی کے حضور میں حاضر
ہو جانا خالی خولی جانے والا نہ تھا، وہی مامائیں جو کل تک اس سے بیزار تھیں چوری
چھپے اس کی طرفدار ہو گئیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک روز کھلائی نے پیرجی کے
سامنے صاف اسلام سے کہہ دیا کہ ایسی صبر کی بیوی دیکھنے میں کیا سننے میں بھی نہیں
آئی، پیرجی اس وقت تو بات ٹال گئے مگر تہ کو پہنچکر سمجھ گئے کہ مشرکہ کے پیچ رنگ
لے آئے، اور نہ معلوم یہ رنگ کس کس پر اثر ڈالے گا، کھلائی کا نکال باہر کرنا اس شخص کے
واسطے جس نے بیوی کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال الگ کیا، کچھ بڑی بات نہ تھی، مگر جانتا تھا
کہ بچہ پلا ہوا ہے، مفت میں بات جائے گی، مشہور تو یہ تھا کہ پیرجی دنیا سے بیزار روپے سے متنفر
گوشہ نشین بزرگ ہیں، مگر کیفیت یہ تھی کہ مہینہ میں ایک آدھ دفعہ جب نواب صاحب
اُن کی بیوی کے پاس جاتے دو تین سو روپیہ سے کم خدمت نہ کرتے، بیگم صاحب
جب دوسرے مہینے زیارت کو جاتیں، چار پانسو کا سلوک کرتیں، یہاں سے جو کچھ
نذر نیاز عید بقر عید کا ہوتا، اس کو بھی وہ ہاتھ نہ لگاتا، اور سب گھر بھیجہ دیا جاتا، آپ یہاں
پڑا ہوا تھا، اور گھر گیے وہاں پہنچ رہے تھے، بھیو کا ٹھکانہ نہ تھا، رہنے کا مکان وہ عالیشان
کہ آسمان سے باتیں کرے، ٹھاٹ وہ امیرانہ کہ بیوی کے آگے ماما، بچوں پر کھلائیاں
غرض وہ پر لطف زندگی اور شاندار رہنا تھا کہ پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں، نابکار کھلاتا
تو دیندار تھا مگر رات بھر افیون میں سرشار اور ہوس دنیا میں گرفتار، اس حیثیت اتنی

وقعت اور ایسی عزت کا آدمی مشتری اس کا مقابلہ کر ہی کیا سکتی تھی، ساس نندوں کی طرح سجدے کرتی اور خوش رہتی، مگر بڑے میاں کا فرمانا پتھر پر لکیر تھا، جو دل پر نقش ہو گیا اور ایسا جما کہ کسی طرح نہ نکل سکا، جوانی کی امنگیں، زندگی کی بہاریں، دل کے ارمان طبیعت کے جوش سب پر خاک ڈالی، ساس جیسی غمگسار کھوئی، شوہر جیسا رفیق کھویا، موتی جیسی آب کھوئی، عیش کھویا، چین کھویا، مگر توحید کا مضبوط رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دیا چھ ساڑھے چھ سال سے پیرجی یہاں رہتے تھے، غصہ ناک پر اور مزاج آسمان پر، ذرا کوئی بات خلاف ہوئی اور بوریا بندھنا بندھا، پھر خوشامدوں کی بے حد اور منتوں کی بے انتہا کہ نیچے کھڑے رو رہے ہیں، نواب صاحب اور بیگم صاحب کواریاں اور بیاہیاں ہاتھ باندھے حاضر ہیں، کوئی عفو قصور کا طالب کوئی رحم و کرم کا ملتجی، مگر کمبخت ایسا شقی القلب تھا کہ ناکیں رگڑواتا، پاؤں میں گرواتا، جب کہیں غصہ فرو ہوتا، جانتا تھا کہ نواب صاحب کوئی دن کے مہمان ہیں۔ لڑکا قبضہ میں اور بیگم جال میں پھنسی ہوئی ہے جس بل نچاؤں گا ناچیں گے، مگر مشتری کا کانٹا ایسا کھٹکا تھا کہ سانپ کی چھچھوندر بن گیا، اگلتے بنے نہ نگلتے ہاجرہ نے یوں تو عمر بھر بیوقوفیاں کیں، مگر یہ ایک کام ہوشیاری کا بھی کیا کہ بیٹی کا مہر چھبیس ہزار کا بندھوا لیا، دینا لینا تو کون ہے، مگر نہ معلوم بیوقوف کو کیا سوجھ گئی تھی کہ اس وقت یہ زنجیر اسلام اور پیرجی کے توڑے نہ ٹوٹ سکی،

بچہ شاید مشکل سے اٹھارہ مہینہ کا ہوگا کہ ایک روز شام کے وقت اسلام اس کو گود میں لے کر بیوی کے پاس آیا اور کہا اس کو دودھ پلانے کی اجازت کل دوپہر تک کی اور ہے، حضور نے فرمایا ہے کل ظہر کے وقت تک اس کا دودھ چھڑا دیا جائے، اماں جان یہاں تم نہیں چاہتیں، وہ دوائیاں جو لگائی جاتی ہیں لگا لینا، مگر دوپہر کے بعد ایک قطرہ تک اس کو حرام ہے، اماں جان نے منت مانی تھی کہ دودھ چھڑا کر نور الدین شاہ کی پائنتی ڈالوں گی، وہ کل شام کو چادر چڑھائیں گی، اگر تمہارا کچھ درد ہو گیا ہو اور ملنا چاہو تو میں حضور سے تمہارے ملنے کی بھی اجازت مانگ لوں،

مشتری: اگر آپ کا حکم ہو تو مجھے چلنے میں کیا عذر، جو کچھ ہے ... کنیز ہوں لیکن چادر اور شنت سے علیحدہ رہوں گی۔

اسلام۔ کیوں؟ تم مسلمان نہیں ہو؟ خدا اور اس کے رسولؐ سے بزرگان دین سے؟ اولیاء اللہ سے! پھری ہوئی ہو؟

مشرکہ۔ میں کہتی ہوں۔ اور سمجھتی بھی ہوں۔ کہ مسلمان ہوں مگر درحقیقت میرے عمل مسلمانوں کے سے نہیں ہیں۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک، رسولؐ کو پیغمبر آخرالزمان بزرگان دین کو عمارت اسلام کا ستون، اولیاء اللہ کو خدا کا پیارا غرض سب کو اپنے سے بہتر سمجھتی ہوں، مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھتی ہوں کہ خدا ان سب سے بہتر ہے)۔

اسلام جو خدا کے پیارے ہمارے سرتاج ہمارے آقا، ہمارے مالک ہیں اور ہمارا دین اور دنیا دونوں ان کے ہاتھ میں ہیں،

مشرکہ۔ بیشک خدا کے پیارے ہمارے سرتاج، مگر دین و دنیا کا اختیار تو خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں،

اسلام۔ کیوں ان کی سفارش خالی نہیں جاسکتی، یہ جو کچھ چاہیں وہ کرسکتے ہیں، تم شاید وہابی ہو کہ حضور تک سے آجتک اکڑی رہیں،

مشرکہ۔ سفارش کی ضرورت تو اس وقت ہو جب ہم خود وہاں تک نہ پہنچ سکیں یا وہاں پہنچکر ہم اور وہ دونوں برابر ہیں، وہابی ہوں نہ بدعتی، خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھتی ہوں حضور بہت کچھ تعظیم کے قابل ہیں، مگر مجھے تو ان سے زیادہ تمہاری خدمت فرض ہے

اسلام توبہ۔ توبہ۔ توبہ نعوذ باللہ۔ کجا حضور، کجا میں لاحول ولاقوۃ ایسا کفر کا کلمہ بس زبان بند کرو، یاد رکھو، کل دودھ چھٹ جائے،

بچہ کی عمر ابھی دودھ چھٹنے کی نہ تھی مگر حکم حاکم مرگ مفاجات، ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزری، کبھی خیال کرتی تھی، کہ اللہ اللہ دودھ چھٹنے کی شادی اس دھوم دھام سے اور میرے اماں باوا کو خبر تک نہیں، کبھی سوچتی تھی کیا تیری قدرت ہے کا فر و مشرک تو میں ہوں، سزا کے قابل میں تھی، بچہ بیگناہ کس قصور میں دودھ سے محروم ہوتا ہے صبح ہوتے ہی شادی کے سامان شروع ہو گئے، نوبت رکھی گئی، گانے شروع ہوئے، باجے بجنے لگے، اور ظہر کے بعد بچہ کو لے ماں کو چھوڑ سارا خاندان جا کر چادر چڑھا آیا، رات بھر جشن رہے، رتجگا رہا، ہر متنفس باغ باغ اور سارا گھر خوشی کے

مارے نہال نہال تھا، مگر اجازت نہ تھی شرکت کی تو اسی بدنصیب کو جس کا قفل زنانہ دروازہ کا آج بھی نہ کھلا، کھلائی کا اخر قریب قریب تمام ماماؤں پر ہو چکا تھا، ہر نوکر کو مشرکہ سے ہمدردی تھی مگر سب مجبور تھے، مدد کے قابل نہ تسکین کے لائق، یہ پہلا روز تھا کہ دودھ چھٹا بچہ دو برس کا ماں سے چھوٹا ہوا تھا، ساری رات آنکھیں دروازے کو لگی رہیں، کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ رحم کھا کر بچہ کی صورت دکھا دے، مگر مسلمان کے مرید کا کافر ماں سے واسطہ کیا، پوری رات اسی انتظار میں صبح ہو گئی، اور یہ وہ وقت تھا کہ کامیابی کی خوشی پیرجی کے چہرہ پر زور شور سے برس رہی تھی،

بچہ ادھر تو چھٹا دودھ ادھر چھوٹی ماں، رات تو جوں توں کاٹ دی مگر صبح سے جو بلکنا شروع کیا، تو دادا اور کھلائی، دادی اور پھوپی سب ہی نے بہلایا مگر کسی طرح چپ نہ ہوا، بچہ کا چیخنا مشرکہ کھڑکی سے سن رہی تھی، مگر پیرجی چونکہ یہ فرما گئے تھے کہ اب ماں سے بچاؤ نہیں تو وہ اس کا بھی ناس کرے گی، اس لئے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ یہاں لے آئے جب کسی طرح قبضہ میں نہ آیا تو خود اسلام لے کر بیوی کے پاس آیا، آنکھ میں آنسو اور زبان پر شکر انگنائی میں ٹہل رہی تھی، میاں کو دیکھ کر دوپٹہ سے آنسو پونچھ لئے۔ بچہ ماں کی گود میں آکر چپکا ہو اس کا منہ تکنے لگا، اس کی خاموش نگاہ ماں کی ہمدرد تھی، اور دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی صورت غور سے دیکھ رہے تھے، مشرکہ ہر چند ضبط کر رہی تھی، مگر جب بچہ نے ہاتھ اٹھا کر ماں کے گلے میں ڈال دیا تو بے اختیار ہو گئی، آنسو جاری ہوئے، کلیجہ سے لگا لیا، اور شوہر کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی، اس منظر کا اثر اسلام کے دل پر چھوا یا نہ ہوا، مگر پیرجی کو خبر لگی تو وہ بچہ کو ساتھ لے اپنے گھر چل دیئے، اور صبح آکر کہہ دیا بچہ کی پرورش ہمارے یہاں ہوگی، کون دم مار سکتا تھا، سب خاموش ہو گئے،

(۲۷)

مشرکہ کے گھر سے نکلتے ہی انعام کے ہاں پھر وہی خاک اڑنے لگی، آمدنی بدستور تھی، مگر خرچ ویسے ہی بے ڈھنگے، قرضہ سال ڈیڑھ سال میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا، برتن بکے، زیور گروی ہوا، مشرکہ کی بدولت جس گھر میں دری اور چاندنی

پہنا اور شکر کیا، اس میں شک نہیں کہ شوہر کی نفرت اور اس کی عداوت بہار زندگی کا خاتمہ اور گلشن حیات کی ایسی بربادی تھی جس کی تلافی قطعاً ناممکن تھی، لیکن توحید اس کے رگ و پے میں اور اسلام اس کے خون میں سرایت کرچکا تھا اس نے جو آئی وہ اٹھائی جو پڑی وہ جھیلی، مگر زبان پر شکایت اور دل میں میل نہ آنے دیا، ہاجرہ سگی ماں اور انعام حقیقی باپ تھا، لیکن کیا مجال جو ان دونوں کو رتی بھر پتہ لگنے دیا ہو، کھانے پینے کے دن اور پہننے اوڑھنے کا وقت تھا، آدمی تھی اور دیکھتی تھی، کہ بڑھیا ساس منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت گونڈنی کی طرح زیور میں لدی بیٹھی ہیں، دونوں وقت سفید بگلہ سر گھس رہا ہے، قیمتی سے قیمتی اور اچھے سے اچھا کپڑا پہن رہی ہیں، اور پھاڑ رہی ہیں، مگر کیا مجال جو دل میں خیال یا زبان پر ملال آجائے، ہستی اور چپ رہتی، دیکھتی اور اُف نہ کرتی، لڑکی تھی، جوان تھی، دل تھا، دل میں ارمان تھا، منہ تھا منہ میں زبان تھی، مگر توبہ توبہ جو ملگیا وہ پہن لیا، جو آگیا وہ کھالیا، دل کی وہ کلی جو شگفتہ ہوکر ایک عالم کو مہکاتی، کھلتے ہی مرجھا گئی، جس دماغ سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس پر ایسی اوس پڑی کہ صرف خدا اور شکر کے کام کا رہ گیا، اس حالت پر بھی اس نیک بچی نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کمی نہ کی، ظالم شوہر دن دن بھر اور رات رات بھر مردانہ میں گلچھرے اُڑاتا، اور کبھی بھولکر بھی بیوی کے پاس نہ پھٹکتا، مگر جب کبھی بھولے بسرے آنکلتا، تو لونڈیوں کی طرح کھڑی ہوجاتی، پنکھا جھلتی، کپڑے اتارتی، ہاتھ دھلاتی پاؤں دھلاتی، جونپور والے اس مردود کے مرید اگر مشرک کے بر خلاف قرآن اٹھالیں تو جھوٹے، زندہ ہیں ابھی وہ آنکھیں جن کے سامنے پورے چار پہر کی رات پاؤں دباتے اور پنکھا جھلتے اس مظلومہ کی آنکھوں میں کٹ گئی، اور اذان کے ساتھ کلمۂ توحید پڑھتی ہوئی وضو کو اٹھ کھڑی ہوئی، وہ معاد ضعضمت کی طلبگار تھی نہ رحم و کرم کی خواستگار، خواہش تھی تو اتنی، ارمان تھا تو یہ کہ اسلام اس کا شوہر اس سے سیدھے منہ بات کرے، راتیں اس ارمان میں اور دن اس آرزو میں پورے ہوتے، مگر خواہش اور ارمان پورے نہ ہوئے ہاجرہ لاکھ واقعی حقیقت سے بے خبر اور مصیبت سے ناآشنا تھی، مگر ماں تھی عمر کا تجربہ زمانہ دیکھے ہوئے، شوہر کے ڈھنگ رنگے ہوئے مشرک کے تیور سے صاف پہچان گئی کہ دال میں کالا ہے، کئی دفعہ منہ پر کھا، بار ہا پوچھا، بہلا کر چمکار کر محبت سے، دھوکے سے، نرمی سے

غصہ ہے، مگر وہ اللہ کی بندی جس سے مس نہ ہوئی، جب کہا یہی کہا اللہ کا شکر ہے مجھے کوئی شکایت نہیں، لیکن ناجرہ کی ماستا تھی کلیجہ کو لگی ہوئی ایک روز آؤ دیکھا نہ تاؤ ڈولی کر اسی دم دن میں سیدھی بیٹی کے ہاں پہنچی، جاتے کو ناجرہ چلی گئی، مگر وہاں پہنچکر دیکھتی ہے تو نہ سمدھن کے وہ رنگ ہیں نہ داماد کے وہ ڈھنگ، بیٹی ہے تو وہ گم شم چپ چاپ ایک گھر میں قیدیوں کی طرح پڑی ہے، دنگ رہ گئی، وہی بیگم صاحب جن کا بیوی بیوی کہتے منہ خشک ہو رہا تھا، پاس آ کر بھی نہ پھٹکی۔ خیر اس کی چنداں شکایت نہیں۔ پھر غیر تھیں۔ افسوس اس سنگدل داماد کا ہے جو ساس کے سلام تک کو نہ آیا،

ناجرہ پیلی تو بہت، اور اگر اس کا بس چلتا تو بیٹی کو ساتھ لے ڈولی منگوا کبھی کی چلتی ہوتی، مگر مشرکہ نے اُف نہ کرنے دی، اور اُلٹے پاؤں ماں کو لوٹا دیا۔

مشرکہ کا صبر اگر پالا کسی سمجھدار سے پڑتا تو داد کا مستحق تھا، مگر جہاں پیر اور مرید نورٌ علیٰ نور ہوں وہاں جو کچھ بھی ظہور میں آتا بجا، مقابلہ چیونٹی اور ہاتھی، بکری اور شیر، گائے اور قصائی کا تھا، کجا وہ جفاکار کہ زمین سے آسمان تک ہر متنفس اس کا کلمہ پڑھے، کجا یہ غریب خستہ حال کہ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن دیکھنے میں سنگدل بالکل غافل اور قطعاً لاپروا تھا مگر مشرکہ کی یہ روش دیکھ کر دل ہی دل میں کھولا جاتا تھا، چاہیے کہ اس بدنصیب کو جس کی تمام امیدیں اور ارمان غارت ہو چکے تھے، خاک میں ملا کر اطمینان سے بیٹھ جاتا، ہرگز نہیں جب موقع ملتا، اور ذکر آتا، تو ایک نہ ایک بات ایسی چبھتی ہوئی کہہ دیتا، کہ اس کی ساری کی کرائی محنت اور خدمت پر پانی پھر جائے، محرم کی اکیسویں تاریخ نورالدین شاہ کا عرس آیا، نواب صاحب کے ہاں سے ہر سال دو ڈھائی ہزار کی چادر چڑھائی جاتی تھی، اور سارا گھر تین دن تین رات وہیں حاضر رہتا تھا، عرس مشہور تھا، دور دور سے لوگ آتے تھے، مرد بین گھنگرو تیں بین اوڑھکر چاروں طرف جھلاڑ کے جھلاڑ پھرتے تھے، عرس شروع تو انیسویں ہی سے ہو جاتا، مگر اکیسویں یعنی آخر تاریخ کو نواب صاحب کی چادر چڑھتی، پہلے خود نواب صاحب اس کے بعد بیگم صاحب اور پھر سب بال بچے جھک کر مزار کی پائینتی سجدہ کرتے، اور وہ خاک اپنے سر و آنکھوں پر مل کر حاجت روائی کی التجا کرتے۔ شاہ صاحب اپنے زمانہ حیات میں نہایت قابل قدر بزرگ اور سچے

اللہ والے تھے، مریدوں کی تعداد ان کی زندگی میں بھی کچھ کم نہ تھی، مگر بوسہ اور سجدہ تو درکنار
خدا غریق رحمت کرے، انہوں نے عورت کا مصافحہ تک کبھی جائز نہ رکھا، ہاں اب
اُن کے نام سے اس عرس کی آڑ میں سیلانی زور شور کا میلہ مناتے، ادھر سے
رنڈیاں ناچتیں، اُدھر مزے سے بریانی متنجن اُڑتے، پیر جی اچھی طرح جانتے تھے
کہ مشرکہ اس موقع سے صاف اُکھڑ جائے گی، مگر جب اجازت طلب کی گئی کہ بہو کے
واسطے کیا حکم ہے۔ تو فرمایا ہزار برس کی بیوہ ہے اسی کے ہاتھ سے چادر چڑھوا دو بچہ
سے معاف کرو،

مائیں مغلانیاں، اماں دوا ساس شوہر نہایت خوش اور خوشحال یہ مژدہ سنکر
پہنچے، اور کہا مبارک ہو حضور نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور چادر چڑھانے
کی اجازت تم کو دی،

اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا خفیف سی مسکراہٹ اپنی بدنصیبی پر آئی
اور دل نے فوراً گواہی دی کہ یہ جو روکھا سوکھا ٹکڑا اور پرانا دھرانا چیتھڑا نصیب ہو
جاتا ہے۔ یہ بھی پیر جی صاحب کو گوارا نہ ہوا۔ نکاح میں آئی ہوں، بیوی ہوں جو حقدار تھی
مجھے بے حق کرنے سے حاصل کیا، خیر خدا سب سے بہتر وارث ہے، انجام بخیر ہو۔ یہ
وقت تو جوں توں کٹے ہی گا۔

روانگی کا دن آیا، تو ساس نے جلدی سا جوڑا نکال کر بہو کو بھیج دیا۔ اور شوہر نے
آکر کہا اب تم نہا کر کپڑے بدل لو، دو بجے ہم روانہ ہو جائیں گے۔ شوہر کا حکم تھا نہ
ٹالا، اٹھی غسل خانہ میں گئی، نہائی کپڑے بدلے اور دل پر جو کچھ گزری تھی اس کو تو
وہ خود ہی خوب سمجھ سکتی تھی، مگر بظاہر ہنسی خوشی سب کے ساتھ تھی باجے کے ساتھ
چادر چلی، سب سے آگے پیر جی آگے چادر رکھے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے گاڑیوں میں عورتیں ان کے
پیچھے مرد، تین دن اور تین رات خوب جشن [illegible] کھانے سے فارغ ہو کر بیویاں برائے نام
پردہ اوڑھے باہر نکلیں، تو دن بھر خاک اڑاتیں کیسی بے پردگی اور کس کا لحاظ کھوے سے کھوا
چھلتا اور سر سے سر ٹکراتا، مشرکہ [illegible] تو پہلے ہی روز ہو گئی تھی، جب اس نے ساتھ
چلنے کو [illegible] ہوا [illegible] مگر چادر کے وقت کا انکار تو وہ جرم تھا جس نے بے شمار آدمیوں

کے سامنے ہزاروں باتیں سنوادیں، نابکار شوہر شرم وحیا طاق میں رکھ طلاق دینے پر آمادہ ہوگیا، البتہ مہر کا سوال ٹیڑھی کھیر تھا جس نے اس وقت بے کس کی لاج رکھ لی، ورنہ بھرے مجمع میں رشتہ چلتوں کے سامنے اور سیلانیوں کے روبرو اس کی عزت اُترنے میں کوئی کسر نہ رہی، ایک کا غصہ، ایک کی خفگی، ایک کی فضیحتی ایک کی لعنت ہوتی تو خیر وہاں تو سارا کنبہ، پوری محفل اور بھرا جلسہ لعنتی کے طوق گلے میں ڈال رہا تھا، پیرجی تو صرف اتنا کہہ کر ہنستے ہوئے چلے گئے "مسلمان کی اولاد کافر" مگر یہ فتویٰ ایسا نہ تھا کہ اُن کے مرید سنتے اور ٹال جاتے، اسی وقت سے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا اس کی صورت ہر چیز حرام ہوگئی گھر چلنے کا وقت آیا تو مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی کہ کافر کے ساتھ بیٹھتے، اسباب کی ایک گاڑی میں اس کو جگہ ملی، پیرجی پینس میں، بیویاں پالکیوں میں، مرد گاڑیوں میں، اور اسباب چھکڑوں میں لد چکا تھا، چلنے کی مارا مار ہو رہی تھی، کہ موذن نے روز روشن کی وداع کے ساتھ مالک کی وحدانیت کا ڈنکا بجایا، خلقت رخصت ہو چکی تھی، جنگل خاموش اور ہوا ساکت تھی، نعرۂ توحید اس زور سے ہوا میں گونجا، کہ ہر لفظ مشرک کے کلیجے پر گرز رہا تھا، عرق عبودیت پیشانی پر آیا، اُٹھی وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہوگئی، اس تاخیر سے اور بھی عوبت ہوئی، نماز کا مضحکہ اڑا دعا پر ٹھٹھے لگے، دیر پر غصہ ہوا انتظار پر فضیحتیاں ہوئیں، رستے بھر بوچھاڑ رہی، اور گھر پہنچتے ہی یہ فیصلہ ہوا کہ زنانہ کی طرف سے کمرہ کا دروازہ بند کر باہر کا دروازہ کھول دیا جائے،

(۲۶)

سسرال سے جو تھوڑا بہت واسطہ تھا بھی اول تو وہ تھا ہی برائے نام لیکن اس عرس کی بدولت اور پیرجی کے طفیل وہ بھی القط ہوا، اب اس کمرہ کو مقفل سمجھ کر چاہو حوالات کہو یا محلسرا کے گوشہ میں ایک علیحدہ مکان سمجھو، واقعات یہ تھے کہ رات دن اکیلی پڑی رہتی، کتوں کی طرح دونوں وقت ماما آتی اور روٹی دے جاتی، وہ بھی اس طرح کہ تیوری پر بل پیشانی پر غصہ، دل میں بخار، زبان پر پھٹکار، شوہر کا وطیرہ پہلے سے بھی بدتر رہا، بیوی کے کان دن بھر شوہر کی آوازیں سنتے، مگر آنکھیں پانچ پانچ چھ چھ روز صورت نہ دیکھتیں، کبھی پانچویں چھٹے روز آیا، گھڑی آدھ گھڑی بیٹھا دس پانچ

باتیں دو چار صلواتیں سنائیں، بزرگوں کو بُرا بھلا کہہ سُن بڑوں کو پن پناسیے جاہولیا، ہاں بچہ کے بہانے ماماؤں کے پھیرے دن بھر ہوتے رہتے تھے، رات کو جب بچہ سو جاتا تو اس کی کھلائی وہ بھی مشرکہ کے واسطے نہیں، بچہ کے لئے یہاں سو رہتی، اور اس طرح دل بہلاتے یا غم غلط کرنے کا ایک ذریعہ یہ رہ گیا تھا، جو اکیلی سے دو کیلی کر دیتی تھی، ورنہ دن بھر مشرکہ تھی اور وہ حوالات کا کمرہ، مشرکہ کے اس صبر و استقلال کا نتیجہ تو بدتر ہی نکلا، مگر اس کی استقامت بہت سی طبیعتوں پر چپکے ہی چپکے اپنا اثر کر رہی تھی، جاڑے کے موسم میں جب کڑکڑاتی سردی پڑ رہی تھی، صبح کی نماز کے وقت اور اُس وقت جب پیرجی اور سارا گھر نرم و گرم بچھونوں پر دبکے سکڑے پڑے ہوتے تھے، اس کا اذان کے وقت اُٹھنا اور ٹھنڈے برف پانی سے وضو کر معبودِ حقیقی کے حضور میں حاضر ہو جانا خالی خولی جانے والا نہ تھا، وہی مامائیں جو کل تک اس سے بیزار تھیں چوری چھپے اس کی طرفدار ہو گئیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک روز کھلائی نے پیرجی کے سامنے صاف اسلام سے کہہ دیا، کہ ایسی صبر کی بیوی دیکھنے میں کیا سننے میں بھی نہیں آئی، پیرجی اس وقت تو بات ٹال گئے مگر تہ کو پہنچکر سمجھ گئے کہ مشرکہ کے پیچ رنگ لے آئے، اور نہ معلوم یہ رنگ کس کس پر اثر ڈالے گا، کھلائی کا نکال باہر کرنا اس شخص کے واسطے جس نے بیوی کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال الگ کیا، کچھ بڑی بات نہ تھی، مگر جانتا تھا کہ بچہ پلا ہوا ہے، مفت میں بات جائے گی، مشہور تو یہ تھا کہ پیرجی دنیا سے بیزار روپے سے متنفر گوشہ نشین بزرگ ہیں، مگر کیفیت یہ تھی کہ مہینہ میں ایک آدھ دفعہ جب نواب صاحب اُن کی بیوی کے پاس جاتے دو تین سو روپیہ سے کم خدمت نہ کرتے، بیگم صاحب جب دوسرے مہینے زیارت کو جاتیں، چار پانسو کا سلوک کرتیں، یہاں سے جو کچھ نذر نیاز عید بقرعید کا ہوتا، اس کو بھی وہ ہاتھ نہ لگاتا، اور سب گھر بھیجہ دیا جاتا، آپ یہاں پڑا ہوا تھا، اور بچے وہاں پہنچ رہے تھے ہیچو کا ٹھکانہ نہ تھا، رہنے کا مکان وہ عالیشان کہ آسمان سے باتیں کرے، ٹھاٹ وہ امیرانہ کہ بیوی کے آگے ماما، بچوں پر کھلائیاں غرض وہ پرلطف زندگی اور شاندار جیتا تھا کہ پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں، نابکار کھلاتا تو دیندار تھا مگر رات بھر افیون میں سرشار اور ہوس دنیا میں گرفتار، اس حیثیت اتنی

وقعت اور ایسی عزت کا آدمی مشتری اس کا مقابلہ کر ہی کیا سکتی تھی، ساس نندوں کی طرح سجدے کرتی اور خوش رہتی، مگر بڑے میاں کا فرمانا پتھر پر لکیر تھا، جو دل پر نقش ہو گیا اور ایسا جما کہ کسی طرح نہ نکل سکا، جوانی کی امنگیں، زندگی کی بہاریں، دل کے ارمان، طبیعت کے جوش سب پر خاک ڈالی، ساس جیسی غمگسار کھوئی، شوہر جیسا رفیق کھویا، موتی جیسی آب کھوئی، عیش کھویا، چین کھویا، مگر توحید کا مضبوط رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دیا، چھ ساڑھے چھ سال سے پیر جی یہاں رہتے تھے، غصہ ناک پر اور مزاج آسمان پر، ذرا کوئی بات خلاف ہوئی اور بوریا بستر باندھا، پھر خوشامدوں کی یہ حد اور منتوں کی یہ انتہا کہ بچے کھڑے رو رہے ہیں، نواب صاحب اور بیگم صاحب کواریاں اور بیاہیاں ہاتھ باندھے حاضر ہیں، کوئی عفو قصور کا طالب کوئی رحم و کرم کا ملتجی، مگر کمبخت ایسا شقی القلب تھا کہ ناکیں رگڑواتا، پاؤں میں گرواتا، جب کہیں غصہ فرو ہوتا، جانتا تھا کہ نواب صاحب کوئی دن کے مہمان ہیں۔ لڑکا قبضہ میں اور بیگم جال میں پھنسی ہوئی ہے جس طرح نچاؤں گا ناچیں گے، مگر مشتری کا کانٹا ایسا آ کر چبھا تھا کہ سانپ کی چھچھوندر بن گیا، اگلتے بنے نہ نگلتے، ناجرو نے یوں تو عمر بھر بیوقوفیاں کیں، مگر یہ ایک کام ہوشیاری کا بھی کیا، کہ بیٹی کا مہر بیس ہزار کا بندھوا لیا، دیتا لیتا تو کون ہے، مگر نہ معلوم بیوقوف کو کیا سوجھ گئی تھی کہ اس وقت یہ زنجیر اسلام اور پیر جی کے توڑے سے نہ ٹوٹ سکی۔

بچہ شاید مشکل سے اٹھارہ مہینہ کا ہوگا، کہ ایک روز شام کے وقت اسلام اس کو گود میں لے کر بیوی کے پاس آیا اور کہا اس کو دودھ پلانے کی اجازت کل دوپہر تک کی اور ہے، حضور نے فرمایا ہے کل ظہر کے وقت تک اس کا دودھ چھڑا دیا جائے، انا جان یہاں آنا نہیں چاہتیں، وہ دوائیاں جو لگائی جاتی ہیں لگا لینا، مگر دوپہر کے بعد ایک قطرہ تک اس کو حرام ہے، انا جان نے منت مانی تھی کہ دودھ چھڑا کر نور الدین شاہ کی پائینتی ڈالیں گی، وہ کل شام کو چادر چڑھائیں گی، اگر تمہارا کھر دور ہو گیا ہو اور چلنا چاہو تو میں حضور سے تمہارے لئے بھی اجازت مانگوں۔

مشتری نے کہا اگر آپ کا حکم ہو تو مجھے چلنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے، میں کنیز اور لونڈی ہوں لیکن چادر اور منت سے علیحدہ رہوں گی۔

اسلام - کیوں؟ تم مسلمان نہیں ہو؟ خدا اور اس کے رسول ؐ سے بزرگان
دین سے؟ اولیار اللہ سے! پھری ہوئی ہو؟
مشرکہ - میں کہتی ہوں۔ اور سمجھتی بھی ہوں۔ کہ مسلمان ہوں مگر درحقیقت میرے
عمل مسلمانوں کے سے نہیں ہیں۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک، رسول ؐ کو پیغمبر آخر الزمان
بزرگان دین کو عمارت اسلام کا ستون، اولیار اللہ کو خدا کا پیارا غرض سب کو اپنے
سے بہتر سمجھتی ہوں، مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھتی ہوں کہ خدا ان سب سے بہتر ہے، ۔
اسلام جو خدا کے پیارے ہمارے سرتاج ہمارے آقا، ہمارے مالک ہیں
اور ہمارا دین اور دنیا دونوں ان کے ہاتھ میں ہیں،
مشرکہ. بیشک خدا کے پیارے ہمارے سرتاج، مگر دین و دنیا کا اختیار تو خدا
کے سوا کسی کو بھی نہیں،
اسلام - کیوں ان کی سفارش خالی نہیں جاسکتی، یہ جو کچھ چاہیں وہ کرسکتے
ہیں، تم شاید وہابی ہو کہ حضور تک سے آجتک اکڑی رہیں،
مشرکہ. سفارش کی ضرورت تو اس وقت ہو جب ہم خود وہاں تک نہ پہنچ سکیں،
وہاں پہنچکر ہم اور وہ دونوں برابر ہیں، وہابی ہوں نہ بدعتی، خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھتی ہوں
حضور بہت کچھ تعظیم کے قابل ہیں، مگر مجھے تو ان سے زیادہ تمہاری خدمت فرض ہے
اسلام توبہ۔ توبہ۔ توبہ نعوذ باللہ۔ کجا حضور، کجا میں لاحول ولا قوۃ ایسا کفر کا
کلمہ بس زبان بند کرو، یاد رکھو، کل دودھ چھٹ جائے،
بچے کی عمر ابھی دودھ چھٹنے کی نہ تھی مگر حکم حاکم مرگ مفاجات، ساری رات اسی
ادھیڑ بن میں گزری، کبھی خیال کرتی تھی، کہ اللہ اللہ دودھ چھٹنے کی شادی اس دھوم
دھام سے اور میرے آبا و اکو خبر تک نہیں، کبھی سوچتی تھی کیا تیری قدرت ہے
کافر و مشرک تو میں ہوں، سزا کے قابل میں تھی، بچہ بیگناہ کس قصور میں دودھ سے
محروم ہوتا ہے، صبح ہوتے ہی شادی کے سامان شروع ہو گئے، نوبت رکھی گئی،
گانے شروع ہوئے باجے بجنے لگے، اور ظہر کے بعد بچہ کو لے ماما کو چھوڑ سارا خاندان
جا کر چادر چڑھا آیا، رات بھر جشن رہے، رتجگا رہا، ہر متنفس باغ باغ اور سارا گھر خوشی کے

مارے نہال نہال تھا، مگر اجازت نہ تھی شرکت کی تو اسی بدنصیب کو جس کا قفل آج تک نہ
دروازہ کا آج بھی نہ کھلا، کھلائی کا اثر قریب قریب تمام ماماؤں پر ہو چکا تھا، ہر نوکر کو مشرکہ
سے ہمدردی تھی مگر سب مجبور تھے، مدد کے قابل نہ تسکین کے لائق، یہ پہلا روز تھا کہ
دودھ چھٹا بچہ دو دنیکے کا ماں سے چھوٹا ہوا تھا، ساری رات آنکھیں دروازے کو لگی
رہیں، کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ رحم کھا کر بچہ کی صورت دکھا دے، مگر مسلمان کے مرید کا
کافروں سے واسطہ کیا، پوری رات اسی انتظار میں صبح ہو گئی، اور یہ وہ وقت تھا کہ کامیابی
کی خوشی پیرجی کے چہرہ پر زور شور سے برس رہی تھی،

بچہ ادھر تو چھٹا دودھ ادھر چھوٹی ماں، رات تو جوں توں کاٹ دی مگر صبح سے
جو بلکنا شروع کیا، تو دوا اور کھلائی، دادی اور پھوپی سب ہی نے بہلایا مگر کسی طرح چپ
نہ ہوا، بچہ کا چیخنا مشرکہ کھڑی سن رہی تھی، مگر پیرجی چونکہ یہ فرما گئے تھے کہ اب ماں سے بچاؤ
نہیں تو وہ اس کا بھی ناس کرے گی، اس لئے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ یہاں لے آئے
جب کسی طرح قبضہ میں نہ آیا تو خود اسلام لے کر بیوی کے پاس آیا، آنکھ میں آنسو اور
زبان پر شکر انگنائی میں ٹہل رہی تھی، میاں کو دیکھ کر دوپٹہ سے آنسو پونچھ لئے۔ بچہ ماں کی
گود میں آکر چپکا ہو اس کا منہ تکنے لگا، اس کی خاموش نگاہ ماں کی ہمدرد تھی، اور دونوں
ماں بیٹے ایک دوسرے کی صورت غور سے دیکھ رہے تھے، مشرکہ ہر چند ضبط کر رہی تھی،
مگر جب بچہ نے ہاتھ اٹھا کر ماں کے گلے میں ڈال دیا تو بے اختیار ہو گئی، آنسو جاری
ہوئے، کلیجہ سے لگا لیا، اور شوہر کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی، اس منظر کا اثر اسلام
کے دل پر جو ہوا وہ ہوا، مگر پیرجی کو خبر لگی تو وہ بچہ کو ساتھ لے اپنے گھر چل دیئے، اور
صبح آکر کہہ دیا بچہ کی پرورش ہمارے یہاں ہوگی، کون دم مار سکتا تھا، سب
خاموش ہو گئے،

(۲۷)

مشرکہ کے گھر سے نکلتے ہی انعام کے ہاں پھر وہی خاک اڑنے لگی، آمدنی بدستور
تھی، مگر خرچ ویسے ہی بے ڈھنگے، قرضہ سال ڈیڑھ سال میں کہیں سے کہیں
پہنچ گیا، برتن بکے، زیور گروی ہوا، مشرکہ کی بدولت جس گھر میں دری اور چاندنی

بچھ گئی تھی، وہاں کے لوٹنے لگے، انعام وہاں پان کو پہلے ہی رہ گیا تھا، بیٹی کی
مصیبت اور گھر کی تباہی نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کیا، بارہا جی چاہتا جاؤں اور بیٹی کی
صورت دیکھ آؤں، مگر ظالم پیر اور داماد کی بے مہری یاد آجاتی، اور عزت تقاضا نہ
کرتی، کہ گھنٹوں کھڑا رہوں، اور کوئی بات تک نہ کرے، کلیجہ مسوس کر رہ جاتا
کئی دفعہ ارادہ کیا، اور ایک دو دفعہ کہلا بھی بھیجا، کہ چند روز کے واسطے لڑکی کو
بھیج دو، مگر جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو خاموش ہو گیا۔ صدمہ ایسا بیٹھا کہ بخار شروع
ہوا، دو چار روز تو معمولی سمجھ کر ٹالتا رہا، مگر جب بخار نے جنبش ہی نہ کی، تو ڈولی میں پڑ حکیم
کے ہاں گیا، علاج کے واسطے روپیہ اور تیمارداری دونوں کی ضرورت ہے یہاں زر ملا
نہ یار ملا، وہ ایک نسخہ پی بیٹھ گیا، مہینہ بھر کے قریب اسی طرح گزرا کہ کبھی دن کو کبھی رات
دو چار گھنٹے کے واسطے بخار ہلکا ہو جاتا، ورنہ ہر وقت اوندھا پڑا رہتا، تنہائی تھی تو کوئی
اتنا تاب نہ تھا، کہ پیسہ کا شربت بازار سے لا دے، کمزوری روز بروز بڑھ رہی تھی،
جب چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہا تو لیٹے لیٹے بیٹی کو یہ خط لکھا،

پیاری بچی ناصرہ! میں تم سے دور ضرور ہوں، مگر تمہاری تکلیفیں اور مصیبتیں
ہر وقت میری آنکھ کے سامنے ہیں، دل تمہاری باتوں کو اور آنکھیں تمہاری صورت
کو ترس رہی ہیں، مگر زمانہ کی رفتار اور دنیا کا دستور یہی ہے، کہ وہ بچی جو گھر
کا اجالا اور آنکھ کا تارا ہو، دوسروں کی ایسی ملکیت ہو جائے، کہ اس کی شکل
دیکھنی نصیب نہ ہو، کلیجہ کھولنے اور دل دکھانے کی چیز نہیں جو دکھاؤں، کہ تمہاری
جدائی سے مجھ پر کیا گزری، اور تمہاری حالت نے میرے ساتھ کیا کیا، میاں
اسلام کی نفرت اور پیر جی کی کرامت سب میرے دل پر لکھی ہوئی ہیں، مگر کیا
کروں۔ بے بس ہوں اور مجبور، لاچار ہوں اور معذور، اس صدمہ
نے میری جان پر بنا دی، اب میں صرف اس لئے زندہ ہوں کہ لوٹ
پوٹ کر مروں، اور ترس ترس کر چلا جاؤں، چار دن کا اور مہمان ہوں
تم جیسی استقامت سے اس وقت تک توحید پر قائم اور شرک
سے محفوظ رہیں، نہیں قسم اللہ پروردگار کی — آج تک شوہر کو

اور ساس سسروں کو بزرگ سمجھا، اس کا بدلہ تم کو ضرور ملے گا، مالکِ حقیقی
جس کی وحدانیت پر تم نے اپنی زندگی کی قربانی چڑھائی، تمہارے صبر کو
دیکھ رہا ہے، میں جانتا ہوں بچہ کے فراق نے تم کو دیوانہ بنا دیا ہوگا، ضرورت
ہے کہ آخر وقت تک توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے، یہ تمام وسواس
شیطانی اور فانی مرحلے ہیں، ملانے والا چھیننے والوں سے طاقتور ہے،
اس کو بچھڑے بھی ملوا دے گا، وہ وہی ہے جس نے موسیٰ کو دریا میں پھکوا
کر جیتا جاگتا، اس کے کلیجے سے چمٹوا دیا، اس کی حکومت اٹل اس کا سکہ
جاری، اس کی خدائی سچی اور اس کا رحم وسیع، یہ آزمائش کا وقت ہے۔
ناصرہ ظلم کی فریاد، ستم کا شکوہ، بے اعتنائی کی شکایت، عداوت کا
گلہ زبان تک نہ آئے، بچہ آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائے، مگر شکر میں
کمی نہ ہو، گلے پر خنجر پھر جائے، سینے پر چھریاں چل جائیں، مگر عقیدہ
توحید جگہ سے نہ سرکے، ایوبؑ کی مصیبت پیشِ نظر رہے، اور اس خدا
کا بھروسہ جس نے مدتوں کے بچھڑے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملوا دیا،
یہ جو کچھ ہوا کسی جرم کی سزا، کسی غلطی کا بدلہ، کسی قصور کا معاوضہ اور
نافرمانی کا نتیجہ ہے، اپنی حالت پر رو، اپنے قصوروں پر گڑگڑا، ندامت
کے آنسو اور عبودیت کا پسینہ، یہ ابیڑہ پار کردیں گے۔ ابراہیمؑ اسی
سرکار سے، یعقوبؑ اس دربار سے نامراد نہ گئے، جیسے جس کی
ہمت سے، رابعہ اس کی قدرت سے منزلِ مقصود کو پہنچیں،
شوہر کی اطاعت، بزرگوں کی عظمت، مسلمان کا شیوہ اور بیوی کا فرض
ہے، یہ جوہر آبدار ماند نہ ہو، باپ جس کے ہاتھوں میں گوشت کا لوتھڑا
انسان اور جس کی آنکھوں میں ننھی سی جان جوان بنی، کوئی دم کی ہوا کھا رہا ہے
اور اس ارمان میں دنیا سے رخصت ہے کہ ایک دفعہ صورت دیکھ لیتا،
مگر انسان عاجز، بندہ مجبور، اور خدا کی مرضی مقدم ہے، صبر سے رہنا اور
خوش رہنا، یہ سلسلے حباب اور یہ تعلق سراب سمجھے، اصلی رشتہ اسی

وحدہٗ لاشریک کا ہے، جس کے گیت زمین کا ہر ذرہ جنگل کا ہر پتہ، درخت کی ہر شاخ اور آسمان کا ہر تارہ، شب و روز گا رہا ہے، دیو ہیکل پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیاں، چوٹیوں کے پرند، پرندوں کا نغمہ، نغموں کی گونج، اس کی توحید کا ثبوت، اور دریائے ذخار دریا کی لہریں، لہروں کی ہستی، ہستی کا آغاز اور انجام، اس کی قدرت کا نشان وہ تم سے دور نہیں، تمہارے پاس ہے، تمہاری حمایت کو موجود، تمہاری آواز پر تیار میں نہ ہوں گا مگر میری بات موجود ہوگی، توحید کا یقین پختہ، عقیدہ قادر ذوالجلال ناصرہ تیری آنکھیں روشن، تیرا کلیجہ اور تیری ماستا ٹھنڈی کر دے گا،

انعام کی حالت روی تو کبھی کی ہوگئی تھی، اور اس حالت کا ہر پہلو اس کو موت کا یقین دلا رہا تھا، تنفس جس کا وہ ہمیشہ مریض رہا، شروع ہوگیا تھا، بمشکل تمام بیوی اٹھا کر بٹھا دیتی، تو گاؤ تکیہ کے سہارے سے گھڑی آدھ گھڑی کو بیٹھ جاتا، اب اس کو سب سے زیادہ عاقبت کا تصور تھا، پچھلی زندگی پر نظر ڈالتا، تو اعمال و افعال سب کلنگ کا ٹیکا تھے، ہزاروں مرتبہ توبہ و استغفار پڑھتا، اور دن رات عفو و رحم کا وظیفہ جپتا، ایک دن آدھی رات کے وقت وہ اسی طرح پڑا ہوا سوچ رہا تھا، کہ بیوی کی آئندہ عمر کا خیال آیا، اس کو جگا کر پاس بلایا، اور کہا مجھ سے زیادہ بدنصیب اور تم سے بڑھکر بد قسمت اس دنیا میں کوئی نہ ہوگا، خدا مجھ جیسی موت کافر کو اور تم جیسی زندگی دشمن کو بھی نہ دے، میں بے حد خوش نصیب ہوں کہ دنیا کے جھگڑوں سے چھوٹتا ہوں، مگر کیسی ذلیل زندگی تھی، ایک دن خوشی کا اور ایک گھڑی چین کی نہ گزری، یہ صرف بتوں کے ہاتھوں اور شرک کی بدولت روپیہ اور عزت روزگار اور حکومت کی کمی نہ تھی، مگر کبھی برکت نہ ہوئی، کہتے ہیں مشرک کے گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ مشرک کے گھر میں در و دیوار تک لعنت برساتے ہیں، میری دنیا ختم ہو چکی، اب مجھے عاقبت کا فکر ہے، اور فکر کیا یقین کامل حق الیقین کہ اس شرک نے دنیا تو برباد کی ہی تھی، دنیا کے ساتھ دین بھی غارت کیا، میری دلی آرزو یہ تھی

انہیں اپنے ہاتھ سے قبر میں دبا دیتا، مگر میری آرزو کیوں پوری ہوتی، بندہ عاجز ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اب تمہارے واسطے در در کی بھیک اور گھر در کی ٹھوکریں ہوں گی، یہ تمہاری نافرمانی کی سزا اور میرے گناہوں کی پاداش ہے۔ میری موت پہلی موت نہیں، میں نے بہت سی موتیں دیکھیں، مگر یہ حالت جو مجھ پر اس وقت گزر رہی ہے، خدا کسی کو نہ دکھائے، یہ میری آخری گھڑیاں ہیں، اور میں اس وقت اس صورت کو ترس رہا ہوں جو میرے کلیجے کا ٹکڑا اور عمر کا اثاثہ تھا،

بچی کا خیال آتے ہی انعام کی حالت بالکل خراب ہو گئی، ہائے کا ایک نعرہ مارا۔ اور بچی کا نام لے کر خاموش ہو گیا، اب اگر اس کو کچھ خیال تھا تو مشرکہ کا، آنکھیں بند کئے پڑا تھا، ناجرہ سرہانے بیٹھی اس شوہر کی صورت دیکھ رہی تھی، جس کی بدولت عمر بھر رنج کیا، اور جو اب ہمیشہ کو بچھڑنے والا تھا، انعام خاموش تھا، اس کی آنکھیں بدستور بند رہیں، اس نے کانپتا ہوا ہاتھ اٹھایا، ایک انگلی کھڑی کی اور کہا،

تم لوگ صاحب اولاد ہو، میں نے تم کو اس لئے بیٹی نہیں دی تھی کہ میں اس صورت کو ترستا دنیا سے رخصت ہو جاؤں، ذرا میرے دل کو دیکھو، اور انصاف کرو، مجھ پر رحم کرو، اور میری بچی کو اجازت دو، کہ وہ باپ کو اس دنیا سے رخصت کر دے،

ناجرہ یقین کر چکی تھی، کہ آج عمر بھر کا رفیق ہمیشہ کو جدا ہوتا ہے، انعام کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی حالت اور بھی خراب ہوئی، اور کہنے لگی خدا کا واسطہ ذرا تو آنکھ کھولو،

انعام کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں، خاموش تھا، پھر تھوڑی دیر بعد بولا اور کہا "پیاری گلے سے لگ جا،"

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، اور ایک وہ روح جو چند لمحہ بعد دنیا کے تمام تعلقات ختم کرنے والی تھی، اس قوم کی عنایت سے جس کا دعوے ہے کہ حقوق نسواں کی سب سے زیادہ حفاظت اسلام نے کی، اپنے محبوب کی

صورت کے انتظار میں صرف اس لئے کہ وہ ایک مسلمان شوہر کے نکاح میں تھی، ناشاد و نامراد رخصت ہو رہی تھی، دو گھنٹے کے قریب اختتام کی حالت یہی رہی، وہ چونک پڑتا تھا، چیختا تھا، پکارتا تھا، اور بچی کو آوازیں دیتا تھا، رات کے آخری حصہ میں اس کی حالت بالکل ہی ابتر ہو گئی، دفعۃً اس نے ایک چیخ ماری، مشرکہ، مشرکہ، مشرکہ، کہہ کر آوازیں دیں، ایک ہچکی آئی اور ختم ہو گیا،

(۲۸)

قیاس چاہتا تھا کہ شوہر کے مظالم کا پھوڑا بیرجی کے نمک سے پھوٹ جاتا اور مشرکہ دامن استقلال ہاتھ سے کھو دیتی، مگر توحید کے پکے عقیدے اور خدا کے پورے بھروسہ نے اس کو سنبھالا، لیکن عورت تھی، بچہ کا فراق ایسا نہ تھا کہ آسانی سے برداشت کر جاتی، رات رات بھر انگنائی میں ٹہلتی، وہ چہرہ جو شادی سے پہلے گلاب کی طرح تر و تازہ تھا مرجھا گیا، آنکھیں گڑ گئیں، اور ایک ڈھانچ رہ گیا، سر کا ہوش تھا نہ تن کا، پندرہ پندرہ روز گزر جاتے، کس کا سر اور کیسا لباس دیوانوں کی طرح گھر بھر میں پھرتی، نماک کر پڑ جاتی، ناستا جوش کرتی، طبیعت گھبراتی دل پریشان ہوتا، چھاتی امنڈتی اٹھ کھڑی ہوتی، آسمان کو دیکھتی، زمین پر نظر ڈالتی۔ بچہ کا نام لیتی، چیختی آوازیں دیتی، تاروں سے خطاب کرتی، چاند سے باتیں کرتی، تین تین چار چار دن کھانا پڑا جھک مارتا، اور آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی، جب یہ خیال آتا، کہ میری دشمنی کا بدلہ اس پھول سے لیا جاتا ہوگا، پٹتا ہوگا، کٹتا ہوگا، تو اتنا کہہ کر چپ ہو جاتی،

شکر ہے میرے مولا تیرا شکر ہے

اس کا میلا کپڑا دن بھر منہ پر رکھتی، اس کی خوشبو سونگھتی، چومتی، آنکھوں سے لگاتی، سر پر رکھتی، کلیجہ سے لگاتی، اسی حالت میں باپ کا خط ملا، پڑھا، کانپ گئی، تھرا اٹھی، دوبارہ پڑھا، سہ بارہ پڑھا، خط ہاتھ میں تھا، ہوش و حواس رخصت ہو چکے تھے، جو دل بچہ کے زخم سے گھائل ہو چکا تھا، اس پر باپ

کا یہ خط وہ چرکا تھا جس نے عقل زائل کر دی، اسی حالت میں اسلام جو کبھی بھولے بھٹکے آنکلتا تھا، سامنے آگیا، اسی صورت غور سے دیکھی، کچھ دیر خاموش رہی، اس کو خط دیا، اس کے قدموں پر گری، اور کہا، میرے بچے، کی صورت ایک دفعہ دکھا دو اور اجازت دو کہ میں باپ کا چہرہ دیکھ لوں،

شوہر تمہارے والد کو مرے ہوئے آج چوتھا روز ہے، اب جا کر کیا کروگی، بچہ وہاں بہت آرام سے ہے عید پر آئے گا دیکھ لینا،

باپ کی خبر موت سنکر ایک چکر آیا، گرتی تھی سنبھلی، اور بآواز بلند کہا۔ الٰہی میرے باپ کو بخش دیجیو، اسلام چلا گیا، تو خط پھر پڑھا، آنکھوں سے لگایا وضو کیا، نماز پڑھی، فاتحہ پڑھی، اور سجدے میں گر کر باپ کی مغفرت کی دعا کرتی رہی،

(۲۹)

نواب صاحب ہجرت کے متمنی عرصہ سے تھے، مگر دنیا کے بکھیڑے فرصت نہ دیتے تھے، اس سال انہوں نے مصمم ارادہ کیا، اور خدا کی عنایت سے وہ پورا بھی ہوا، بیگم صاحب کا خیال جانے کا نہ تھا، مگر شوہر کے بعد انہوں نے بھی رہنا مناسب نہ سمجھا، اور دونوں میاں بیوی تمام معاملات اسلام کے سپرد کر کے بیت اللہ روانہ ہو گئے،

ماں باپ کے بعد اب سیاہ و سفید کا مالک اسلام تھا، مشیر صلاح کار گنتو یا سمجھو، باپ کہو، پیر کہو، خدا کہو، جو کچھ تھے وہ پیرجی، ان کی بلا اجازت پتہ نہ ٹوٹتا اور بے حکم سانس نہ لیتا، چھ برس کے قریب اسی طرح بسر ہوئے، بچہ گیارہویں سال میں تھا، باپ کے پاس آتا جاتا تھا، ماں کا کمرہ بھی دور سے دیکھتا تھا، مگر نہ جانتا تھا کہ بدنصیب ماں اس میں ہے، باپ کو باپ سمجھتا تھا، اور چونکہ یہ کہہ دیا گیا تھا کہ ماں مر گئی، اس لئے پیرانی جی کو جنہوں نے پرورش کی، ماں سمجھتا تھا، کثرت غم و فور الم نے اب مشرکہ کی صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں چھوڑی تھیں، شوہر ہاتھ سے

گیا، عمر برباد ہوئی، بچہ چھوٹ گیا، یہ ایسے صدمے نہ تھے کہ مشرکہ زندہ رہتی، مگر نہ معلوم موت کہاں بہ گئی تھی جس نے اس کی حالت زار پر کبھی رحم نہ کیا، دیوانی تو نہ تھی مگر باتیں دیوانیوں کی سی کرنے لگی تھی، اسلام کے راج میں اتنی آزادی مل گئی تھی، کہ آٹھ سال کے بعد وہ قفل کھل گیا، اور دالان کی آمد و رفت شروع ہوگئی، کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ لیٹے لیٹے گھبرا کر اٹھی، دروازہ تک آئی، اور ارادہ کیا کہ باہر نکل جاؤں ایک دفعہ بچہ کو کلیجہ سے لگالوں، مگر پھر یہ خیال آتا کہ بڑوں کی لاج اور باپ دادا کی آبرو پر پانی پھر جائے گا،

بچہ کا ہشیار ہونا تھا کہ پیرجی کو اور سہم چڑھا، لیکن پھر غنیمت تھا کہ سب داؤں پورے اور ہر تدبیر کامیاب ہوئی، انجان تھا جو سمجھا دیا وہ سچ سمجھا جو کہہ دیا، وہ مان لیا، مگر اب پردہ کا بدستور رہنا مشکل تھا، اور پیر صاحب کو پورا کھٹکا تھا، کہ لڑکا جوان ہو کر رنگ لائے گا، ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اس کا ناؤں، نام، یہ سانپ کا سنپولا، اژدہے کا افعی اور بھیڑیئے کا بچہ ہے، کوئی ایسی صورت ہو کہ اگر عمر بھر نہیں تو کم سے کم میری عمر تک دونوں ماں بیٹے آپس میں ملنا کیسا، ایک دوسرے کی صورت تک نہ دیکھیں، بہت سوچ اور فکر کے بعد یہ ترکیب سمجھ میں آئی کہ مشرکہ کو اس گھر سے ہی غارت کردوں، نواب صاحب اور بیگم صاحب معتقد ضرور تھے، اور ضرورت سے بہت زیادہ پیرجی اور پیرانی جی کی نذر کرتے، مگر ان کا جانا تھا، کہ مکار نے اسلام پر وہ بر کی ڈالی کہ جس قدر آمدنی تھی، اس کا بڑا حصہ تیر ہونے لگا، قرضہ شروع ہوا، جائیداد رہن ہوئی، اور ایک تین ہی چار سال کے الٹ پھیر میں اسلام سر سے پاؤں تک قرض میں ڈوب گیا، ہر چند سوچتا اور بار بار غور کرتا، مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی، اسی معاملہ پر وہ ایک روز پیرجی کے سامنے اظہار پریشانی کر رہا تھا، بچہ بھی موجود تھا کہ پیرجی نے کہا،

ایک مشرک نافرمان کی وجہ سے ساری مخلوق پر آفت آتی ہے، تم اس مشرکہ کو یہاں سے علیحدہ کردو، جب ماں باپ نے یہ نام تجویز کیا، تو پھر اس کے مشرک

ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، میں تو نکاح ہی کے وقت اس نام سے بیزار تھا
مگر بیگم صاحب کے اصرار سے خاموش ہوگیا، آمدنی وہی تھی جو تھی۔ پھر یہ مصیبت
اور قرض کیا، صرف اس کمبخت مشرکہ کے اعمال کی سزا سب بھگت رہے ہیں
بچہ جب حضور فرما رہے ہیں تو آپ علیحدہ ان کا انتظام کر دیجئے، وہ اور
کہیں رہیں، تعمیل میں دیر کیا اور جانے میں تاخیر کیوں، خوش قسمتی سے ہاجرہ اب
تک زندہ تھی، اور گو وہ زندہ مردوں سے بدتر تھی، پیٹ کو ٹکڑا تھا نہ تن کو چیتھڑا
مشرکہ کا ماں کے سوا ٹھکانا ہی کونسا تھا، چلی آئی، ماں کو دیکھے بارہ برس ہوگئے
تھے، کیا خدا کی شان تھی، جوان سے ادھیڑ ہوگئی، سیاہ بال سپید ہونے
شروع ہوگئے، روتی ہوئی اتری زمان خود ہی مردوں سے بدتر پڑی تھی سامنے
آکر قدموں پر گری، تو ہاجرہ جس کی آنکھیں اب برائے نام کام کر رہی تھیں، بچی کو
پہچان نہ سکی، ڈر گئی، پوچھا کون ہے، جب مشرکہ نے کہا میں آپ کی آزاد لونڈی
اتنی مدت کی بچھڑی ہوئی بچی کی آواز سنتے ہی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، مشرکہ
کا سر اٹھا کر گلے سے لگا لیا، اس کی بپتا سنی، اور کلیجے میں گھونسے مارنے لگی۔

مشرکہ کی زندگی کا یہ حصہ وہ ہے جس کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے
ہیں، اسلام اس کا کھانا دونوں وقت بھیجتا تھا، مگر وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھی،
اس کو یقین تھا کہ میری جنت، میری مغفرت، سب کچھ خدا کی رضامندی
ماں کے قدموں میں ہے، ہر وقت اس کی خدمت میں لگی رہتی، بچہ کا خیال دم بھر
کو اس کے دل سے اور اس کی تصویر لحظہ بھر کے لئے اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہوتی
روتے روتے ایک آنکھ میں پانی اتر آیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھڑی ہوتی تو
چکر اور بیٹھتی تو غش آتا، عالم خیال میں بچہ کا نام لے لے کر پکارتی، کئی مہینہ تک
یہ حالت طاری اور یہ سلسلہ جاری رہا، آدھی رات کے وقت ماں کے
پاؤں دباتی دباتی اٹھی، وضو کیا، سجدہ کیا، روتی اور کہتی تھی،

چلی ہوئی کشتیاں تیرے ادنیٰ اشارے سے [illegible]
ہوئے گلشن تیرے ایک حکم سے سرسبز ہو [illegible]

دم بھر میں ملا دیے اور ناامیدوں کو آناً فاناً مالا مال کر دیا میری آنکھیں ڈھونڈ رہتے ڈھونڈ ہتے اندھی اور میرا دل روتے روتے دیوانہ ہوگیا۔ ایک دفعہ کلیجہ سے لگالوں اور سینہ اشک کرتی ہوئی تیرا کلمہ پڑہتی ہوئی اس حالت میں کہ بچھڑا ہوا بچہ کلیجے سے چپٹا ہو دنیا سے اٹھ جاؤں۔

(۲۹)

ماں باپ کی ہجرت اسلام پر مصیبت کا آغاز تھا۔ قرض دن بدن بڑہتا جا رہا تھا مرے پر سو درے یہ دوسری آفت آئی کہ برسات پوری گذر گئی اور ایک قطرہ مینہ کا نہ برسا جن کھیتوں میں ہزاروں من غلہ پیدا ہوتا تھا۔ وہاں خاک اڑنے لگی ندی نالے خشک ہو گئے کنوؤں کا پانی ختم ہوگیا کاشتکاروں کے نالے آسمان تک پہنچے، قحط نواب صاحب کے زمانہ میں بھی پڑے اور ایسے ایسے کہ من بھر کا گیہوں پان سیر کا بک گیا مگر یہ مصیبت نہ آئی تھی کہ گیہوں کا دانہ اشرفی کو ساری کاشت میں نہ تھا، کاشتکار اپنی گرہ سے ادا کرنے کو رہے وہی کنواں کھودنا اور وہی پانی پینا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے زمیندار کا روپیہ تو خاک دیتے جانوں ہی کے لالے پڑ گئے، میاں اسلام سے پہلے کیا تھا جو سرکاری مالگذاری ادا کرتے جن ساہوکاروں سے لین دین تھا اُن کی اصل تو کیا سود تک کبھی نکلنا نصیب نہ ہوا ان سے مانگنے کا منہ نہ تھا پیرجی کے پاس سب کچھ تھا جائداد بھی املاک بھی زیور بھی نقد روپیہ بھی توڑے بھی اور اشرفیاں بھی مگر اس سے بھلے مانس کو غرض کیا پڑی تھی کہ کام آتا جو ہوا وہ دیکھا جو گذری وہ سہی اس موقعہ پر البتہ اسلام کے چھکے چھوٹ گئے، پیرجی سے کہا کہ حضور روپیہ کا کیا انتظام کروں تاریخ قریب آگئی دو ہزار روپیہ دینا ہے۔

شاہ صاحب خدا پر بھروسہ کرو وہی مدد دے گا۔

شاہ صاحب تو یہ کہہ کر ستے چھوٹے مگر اسلام کے کلیجے کو لگ رہی تھی چاروں طرف نظر ڈالتا مگر کوئی گھر ایسا دکھائی دیتا تھا نہ رشتہ دار کہ اس وقت کام آجاتے رات کی نیند تھی نہ دن کی بھوک ہر وقت اسی خلجان میں پریشان تھا سوچتے سوچتے اُسے خیال آیا کہ مشرکہ کو جو زیور ہمارے ہاں سے چڑھا تھا وہ نہ معلوم اماجان نے لے لیا یا اس کے

پاس ہے۔ رات کے دس بجے ہوں گے۔ کہ چپکا اٹھا اور سیدھا جھانک کر دیکھتا ہے تو بیوی جا نماز پر بیٹھی عشا کی نماز پڑھ رہی ہے۔ ٹہلنے لگا مشرکہ سلام پھیر چکی تو کہنے لگا۔

مجھے دو ہزار روپیہ کی سخت ضرورت ہے اگر ہمارا زیور تمہارے پاس موجود ہو تو دے دو۔

مشرکہ چڑھاوے کا تو ہجرت کے وقت اباجان نے واپس لے لیا تھا تم ہی لیگئے تھے یاد نہ رہا ہوگا، ہار جو یہاں سے ملا تھا وہ جوں کا توں موجود ہے مگر یہ چھ سات سو کا ہے۔ پھوپا ابا جنہوں نے مجھکو یہ مکان دیا تھا اُن کے لڑکے یہ مکان مول لینا چاہتے ہیں تین ہزار روپیہ دے رہے ہیں وہ لیلو۔

اسلام۔ اچھا تم صبح ہی ان سے گفتگو کرلو۔

مشرکہ میں ان سے تمہارے پیچھے گفتگو کرنا نہیں چاہتی سامنے مکان ہے بلالو ابھی طے کرلو۔

اسلام روپیہ پر ادھار کھائے بیٹھا تھا اور ضرورت تھی بھی ایسی ہی اسی وقت بات چیت ہوئی اور صبح مکان ان کو دے کر روپیہ لے لیا۔

بچہ نے جب یہ سنا کہ اباجان کی وہ منکوحہ جو یہاں رہتی تھی اس نے اس وقت اتنا بڑا کام کیا، حالانکہ ہم نے اس کو نکال دیا تو زیادہ تر اس لئے کہ وہ پیرجی کی اندرونی حالت سے اچھی طرح واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ دو ہزار کیا وہ چاہیں تو دس ہزار دم بھر میں دے دیں عورت کی خدمت کا قائل ہوگیا اس میں شک نہیں کہ صحبت نااہلوں کی تھی مگر دودھ اس اہل کا تھا جس نے توحید پر دنیا قربان کردی، اسلام نے پیرجی کی اس بیوفائی پر مطلق خیال نہ کیا۔ مگر بچہ لاکھ بچہ تھا قطعاً کھٹک گیا، بہ ظاہر اس نے آداب و تعظیم میں فرق نہ آنے دیا مگر وہاں کا رہنا سہنا موقوف کر باپ کے پاس نہ صرف رہنے لگا بلکہ تمام کام کی دیکھ بھال شروع کردی، باپ بیٹے کی اس توجہ سے تو بہت خوش ہوا مگر پیرجی کی طرف سے بے اعتنائی اس کو نہ بھائی، مگر یہ بیوی تھوڑی تھی کہ نکال باہر کرتا پیرجی کا بس چلتا تو وہ زہر بھی دے دیتے اور اگر ان کو یہ

یقین ہو جاتا کہ بڑا ہو کر ایسا فرنٹ ہوگا تو بچپن ہی میں گلا گھونٹ دیتے اب پچھتاتے تھے۔ اور دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتے تھے اس کے سوا چارہ نہ تھا اور یہی کیا اور کرنا پڑا کہ وہی پیرجی جو گھر بھر کو ناک چنے چبواتے تھے۔ بچہ کے سر پر ہمیشہ ہاتھ پھیرتے اور دعائیں دیتے اب پیرجی کی تمام کوششیں محض اس خبط میں صرف ہو رہی تھیں کہ کسی طرح اس کو ماں کا حال معلوم نہ ہو یا دونوں میں سے ایک مر جائے، مامائیں مشترکہ کے ہاں جاتی رہتی تھیں اس کی حالت دیکھ کر کڑھتی تھیں اس کی مصیبت سنکر روتی تھیں تسلی دیتی تھیں تشفی کرتی تھیں مگر اتنی ہمت کسی کی نہ تھی کہ بچہ سے یہ راز کہہ سکے مشترکہ کی حالت مردوں سے بدتر تو پہلے ہی تھی اب رہی سہی طاقت بالکل ہی زائل ہو گئی ماتا زیادہ پھڑکی دل بہت تڑپا تو ایک روز ماما سے کہا مجھے لے چل اور اتنا رحم کر کہ دور سے وہ صورت دکھا دے ماما بچوں والی تھی مشترکہ کی منت سماجت پر رو پڑی اور کہا بیوی خدا تیری ماتا ٹھنڈی رکھے تیرا بچہ پروان چڑھے چل میرے ساتھ چل۔

تیار ہوئی برقع اوڑھا، آگے آگے ماما پیچھے پیچھے آپ دروازہ کا پردہ اٹھا رہی تھی کہ دل نے صدا دی کہ مشترکہ شوہر کی بلا اجازت برقع ڈال کر ماما کے ساتھ گھر سے باہر جانا شرافت سے بعید ہے سہم گئی اور یہ کہہ کر گھر میں لوٹ آئی نہیں بی جب خدا ملائے گا جب ہی مل لوں گی۔

(۳۰)

مشترکہ لوٹنے کو تو اس روز لوٹ آئی مگر کیفیت یہ تھی کہ کھانا اور پینا چلنا اور پھرنا سب دوبھر ہو گیا، آسمان برابر چھایا ہوا تھا اور لونا بیاں پڑ رہی تھیں۔ اولے گر رہے تھے اور وہ یاد حبیب میں بچہ کی تصویر ذہن میں رکھے چکور کی طرح اپنے چاند پر نثار ہو رہی تھی، بارش کا خیال تھا نہ اولوں کی پروا بجلی کا ڈر تھا نہ بادل کا خوف رات سکرات زیست میں گذر گئی صبح صادق کا وقت قریب تھا مرغ اذان دے رہا تھا کہ دروازہ پر کسی نے دستک دی محبت کی دیوانی ہر خوف سے آزاد اور ہر ڈر سے بے فکر تھی گئی دروازہ کھولا اور پوچھا کون ہے ایک عورت روتی ہوئی اندر داخل

ہوئی یہ بچہ کی کہلائی تھی۔ ایک چیخ ماری اور کہا بدنصیب ماں چل اور بچہ کی آخری صورت
دیکھ لے۔ میاں نے بلایا ہے پینس موجود ہے رات کو کسی دشمن نے زہر دے
دیا اب حالت زیادہ خراب ہے اور چلتی کا پھیر ایس بیوی اللہ ہی اللہ ہے۔
مشر کرانا کا پیغام سنکر ہنسی اور کہا ہوا کیا کہتی ہے کیا یہ وقت بھی دیکھونگی
منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا کیوں میاں یہ تماشہ بھی دکھاؤ گے تیری رحمت
وسیع ہے وہ میری التجائیں اکارت گئیں اے اللہ مجھ پر رحم کر میری عمر بھر کی
ریاضت ہے مولا بدنصیب ہوں میرے اعمال پر نظر نہ ڈال میری درخواست

کو دیکھ اے اللہ رحم کر اے میرے آقا رحم!!
اب دل بھر آیا تھا آنسو نکل پڑے تھے کہ موذن نے صبح کے سنسان وقت
میں نعرہ توحید بلند کیا کھڑی ہوگئی اور کہا حق نام تیرا وضو کیا نماز پڑھی سلام پھیر اور دعا
گڑگڑائی کہا جو کچھ کہنا تھا اور مانگا جو مانگ سکتی تھی اٹھی پینس میں بیٹھی اور بچہ کے
پاس پہنچی جس بچہ کو ایک ظالم پیر نے سیاہ بالوں والی ماں سے ہمیشہ کو جدا
کر دیا تھا آج قدرت سفید بالوں میں وہ بچھڑا ہوا لال کلیجے سے چھٹواتی ہے پینس میں
بیٹھی تو سوچنے لگی زندہ دیکھتی ہوں یا مردہ انا کہتی ہے حالت خراب ہے کوئی
دم کا مہمان ہے اسلام میری گود سے بھلا چنگا لے کر گیا تھا وہ ذمہ دار ہے کہ
میرا بچہ جیتا جاگتا مجھ سے ملا دے مگر نہیں کیسا اسلام کہاں کا شوہر میرا شوہر تو
وہ طاقت والا ہے جو آج بارہ سال بعد مجھ کو صورت دکھاتا ہے امیری
امانت اس کے پاس ہے زندہ دیا تھا زندہ لوں گی لیکن میری تقدیر اس لائق
نہیں مر چکا ہوگا میری راہ کس نے دیکھی ہوگی نہلا رہے ہوں گے لے گئے
ہوں گے قبرستان جاؤں صورت دیکھ لوں گی، ان ہی خیالات میں غلطاں
پیچاں جو پہنچی، اتری، اسلام کھڑا تھا ساتھ لیا اور کہا مشر کہ تیرے بچہ کو کسی ظالم
نے زہر دے دیا، ڈاکٹر کا بیان ہے کہ دودھ میں ملا ہوا تھا اس کو ہوش ہوتا تو بتاتا
دودھ کس نے دیا اب حالت نزع میں ہے اس کو دیکھ لے اور صبر کر۔
مشر کہ میرے سر تاج میرا منہ نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں آپ نے

اس آخری وقت میں مجھ کو میرے لال کی صورت دکھا دی میں بارہ سال بعد وہ مکھڑا دیکھتی ہوں جس کی دیوانی تھی چلئے خدا کے واسطے جلدی قدم اٹھائیے۔

دونوں میاں بیوی ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں ایک نوعمر بچہ بیہوش پڑا تھا مسز کر کی پہلی نظر پڑی وہ ٹھٹکی قبلہ کی طرف منہ کیا گردن جھکائی سجدہ میں گری اور کہا تیری خدائی تجھی کو سزاوار ہے میری التجا سن لی میری آرزو پوری کی میری آنکھیں روشن اور میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ تنکے میں جان ڈالنے والے دکھیاری ماں عمر بھر کی ترسی اور برسوں کی بچھڑی صرف تجھ سے ملتجی ہے اس کی موت نہ دکھا الہ العالمین اس وقت سے پہلے ماں کو اٹھالے۔

بچہ کے قریب آئی اس کا سر اپنی گود میں لیا منہ پر منہ رکھا پیار کیا ماںتا کی آگ آنسو بن کر آنکھ سے نکلی اسلام تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور پھر دوا کی شیشیاں بیوی کے سپرد کر باہر چلا گیا اب وہ وقت تھا کہ جو آنکھیں گھر کے ہر کونہ اور شہر کے ہر چپہ سے مایوس ہو چکی تھیں بچہ کو کلیجے سے لگا کر اس کی بھولی صورت پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھیں۔ بچہ بیہوش تھا جھنجوڑتی تھی جگاتی تھی آوازیں دیتی تھی مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوتی تھی اٹھی بلائیں لیں قربان ہوئی ہاتھوں کو گلے میں ڈال دیا پاؤں کو بوسہ دیا اور صورت دیکھنے لگی جب کسی طرح ہشیار نہ ہوا تو دور کھڑی ہو گئی پاس آئی اس کا منہ دیکھا ہاتھ پاؤں دیکھے لپٹ گئی۔ دوا کا وقت آگیا تھا میاں کی ہدایت کے بموجب زبردستی دوا حلق میں ڈالی اور رات بھر اسی طرح اپنی ... پر قربان ہوتی رہی۔

دو دن اور دو رات بچہ کی حالت یہی رہی تیسرے دن شام کو طبیعت ذرا ہشیار ہوئی زہر کا اثر زائل ہو گیا مگر نقاہت کا یہ عالم تھا کہ بات نہ کی جاتی تھی ہر وقت آنکھیں بند کئے خاموش پڑا رہتا اسلام لاکھ پیرجی کا بندہ اور مسز کر کا شوہر تھا مگر بچہ کی خبر سنتے ہی دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی تھی اکثر آ آ کر گھنٹوں بیٹھتا، ڈاکٹر نے اطمینان دلا دیا تو چھٹے ساتویں روز ایک موقع پر بیوی سے کہنے لگا

حضور کی دعا خالی جانے والی نہیں آج تک جب اُنھوں نے دعا کی اول تو ٹال ہی دیتے ہیں، مگر جب کرتے ہیں تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ خالی گئی ہو۔

مشترکہ میں تو خدا کی عنایت سمجھتی ہوں حضور کی دعا ضرور ہو گی لیکن بڑا احسان تو اُس کا ہے جس نے ہم پر رحم کیا۔

اسلام ایک حضور کی نافرمانی سے کیسی کیسی مصیبتیں تم پر آئیں یہ ان کی عنایت وکرم ہے کہ تمہارا بچہ تم سے مل گیا۔ مگر اب بھی اُن کا گن نہیں مانتیں اور اپنا فرض ادا نہیں کرتیں۔

مشترکہ نافرمانی تو خدا کی ہے حضور کی کیا ہو گی احسان سب سے بڑا خدا کا جس نے فضل کیا اور فرض تم سے زیادہ مجھ پر کس کا ہے۔

بچہ یہ تمام باتیں چپکا پڑا سن رہا تھا آج اس کو یقین ہو گیا کہ میری ماں یہی ہے اور اس بدنصیب پر جو کچھ ظلم ٹوٹے وہ اس کمبخت پیر کی بدولت رات کو جب مشترکہ کی حالت دیکھنے والا خدا یا اس بچہ کے سوا کوئی نہ ہوتا تھا اور وہ فرط محبت سے بیتاب ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کرتی تھی۔ اور یہ سمجھ کر کہ بے خبر ہے اپنی آنکھیں اس کے رخسار سے ملتی چمٹتی پیار کرتی بلائیں لیتی اور دعائیں مانگتی تو بچہ بھی بے چین ہو جاتا تھا چاہتا تھا کہ کسی طرح خود بھی گلے میں ہاتھ ڈال کر لپٹ جائے مگر ضبط کرتا اور چپکا پڑا رہتا۔ ایک موقع پر وہ کہہ ہی بیٹھا آپ کون ہیں جو میری ہر طرح خدمت کر رہی ہیں؟

مشترکہ میں تمہارے والد کی لونڈی اور تمہاری دودھ پلانے والی۔

بچہ میری والدہ کو آپ نے دیکھا تھا؟

مشترکہ نہیں میں نے نہیں دیکھا۔

بچہ آپ کو مجھ سے اس قدر محبت کیوں ہے؟

مشترکہ اس لئے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔

مریض کی حالت روز بروز رو بصحت تھی بتدریج درست ہوتے ہوتے غسل صحت کی شادی کا اعلان ہوا اور پیر جی کے حکم سے مشترکہ پھر اپنے گھر بھیج دی گئی۔

تیاریاں دھوم دھام سے ہوئیں ہر متنفس خوشی کے مارے نہال نہال تھا اسلام کی باچھیں کھلی جاتی تھیں، ایک روز قبل باپ بیٹوں کی گفتگو اس طرح ہوئی۔

بچہ میری ماں کہاں ہے؟

باپ تم کو اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔

بچہ اس سے ضروری سوال کیا ہو سکتا ہے۔

باپ زندہ ہے اور اپنے گھر ہے وہی جو تمہاری بیماری میں یہاں موجود تھی۔

بچہ وہ کس جرم میں یہاں سے نکالی گئیں۔

باپ مشرک ہیں نافرمان ہیں حضور کی دشمن پیر پیغمبروں سے بدظن۔

بچہ یہ کمبخت حضور جو پیر بنا ہوا ہے جس نے مجھ کو زہر دیا اور اپنے ہاتھ سے دودھ پلایا اللہ والا ہے ابھی اس کمبخت کو یہاں سے غارت کیجئے۔

باپ مجھے اس کا علم نہیں اس نے دودھ دیا تھا۔

بچہ مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ نہیں اس نے اپنے ہاتھ سے دیا چمکار کے دیا پیار سے دیا پہلا ہی گھونٹ اترتے مجھے ہوش نہ رہا۔

باپ روپیہ کے موقع پر تو میں بھی اس سے جلا ہوں۔ یہ آسانی سے انتظام کر سکتا تھا تمہارا دشمن ابھی نکال دیتا ہوں۔

بچہ ذرا صبر کیجئے میری والدہ کی موجودگی ہیں جنہوں نے اس کے ہاتھوں ایسی سخت اذیتیں برداشت کی ہیں، جن کے خیال سے تکلیف ہوتی ہے اور جو سب میں سن چکا ہوں۔

پینس بھیج دی گئی اور مشرکہ اپنی ماں ہاجرہ کو لئے چلی آئی میاں کے کہنے سے اس نے نہا دھو کر کپڑے بدلے جب وہ صدر دالان میں قدم رکھتی تھی تو سامنے سے بچہ آ کر قدموں پر گرا اور کہا میری بدنصیب ماں میرے باپ کا قصور معاف کر اسلام نے بیوی کے سامنے گردن جھکا دی اور صرف اتنا کہا، بیشک

نیک کوک کی بیٹی تیرا ایمان سچا اور تیرا خدا وحدہٗ لاشریک اُسی خدا کا واسطہ اور اس بچہ کا تصدق میری غلطیوں سے درگذر کر۔ مسٹر کہ کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں بچہ اس کی گود میں تھا اسی طرح بچہ کو کلیجے سے چپٹائے وہ شوہر سے کہنے لگی اصلی مالک خدا ہے میں نے معاف کیا دعا کرتی ہوں کہ وہ معاف کرے! اس کے بعد تینوں کے تینوں اس مکار پیر پاس گئے اور لڑکے نے کہا۔

دیکھ او جفا شعار پیر اور ظالم مکار میری ماں کا خدا اس کے ساتھ تھا جس نے میری صورت دکھا کر اُن کی آنکھیں روشن کر دیں کھڑا ہو جا اور اسی وقت اس گھر سے غارت ہو۔

جب پیر جی چلنے لگے تو مسٹر کہ نے کہا اس وقت جب تم پیر تھے میں خاموش تھی مگر آج جب مردود ہو اس لئے کہ بزرگ ہو اور تمہارے بال سفید ہیں میں التجا کرتی ہوں کہ میرے بچہ کے واسطے بد دعا نہ کرنا ؎